جلد ۴۷ مورخہ ۲۱/۲۸ مئی و ۷/۱۴ جون ۱۹۴۳ء مطابق ۲۱/۲۸ ہجرت و ۷/۱۴ احسان ۱۳۲۲ ہش نمبر ۱۹ تا ۲۲

سیرت حضرت اُمّ المؤمنین (ایدہا اللہ بروح القدس)

پانچ سو کتابوں کے آرڈر بک ہو چکے ہیں

حضرت ام المؤمنین کی سیرت طیبہ لکھنے کا میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے تہیہ کیا ہوا ہے۔ اگرچہ میری صحت بہت مخدوش صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ مگر مجھے یقین ہے۔ کہ مجھے بزرگان سلسلہ کی دعاؤں کے صدقہ میں صحت دی جائے گی۔ اور میں اس کام اور دیگر سوچے ہوئے کاموں کو سرانجام دے سکوں گا۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ میری نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

حضرت ام المؤمنین کی سیرت اس زمانہ کی سب سے بڑی اور پاکباز خاتون کی سیرت ہوگی۔ اس لئے وہ اپنے اندر بہت بڑے حقائق لئے ہوئے ہوگی۔

میرا منشاء ہے کہ اس کتاب کو ہر طرح مکمل دیکھنے کے لئے حضرت ام المؤمنین کی اولاد اور احفاد کے بھی مختصر اور نام بنام تذکرے شائع کردوں۔ اور یہ بھی کوشش کروں گا۔ کہ نسل سیدہ کے ذکور افراد کے اگر ممکن ہوا۔ تو فوٹو شائع کروں۔

میں یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کو دوکانوں کے ذریعہ فروخت نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جو احباب اپنے نام سیرت ام المؤمنین کے رجسٹر میں درج کرالیں گے۔ انہی کو یہ کتاب دی جائے گی۔ اور اتنی ہی تعداد میں شائع کی جائے گی۔ جتنی تعداد میں آرڈر بک ہونگے۔

اس کتاب کا میں یہ طرۂ امتیاز بنانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ چھپنے سے پہلے فروخت ہو جائے۔ جو دوست اس انتظار میں رہتے ہیں۔ کہ کتب فروشوں سے لے لیں گے۔ ان کو اس کتاب کی خریداری میں مایوس ہونا پڑے گا۔

میں نے پانچ ہزار کتاب کی خریداری کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر جماعت اپنے شوق اور اپنی محبت کا مظاہرہ کرے۔ تو ایسی کتاب کا پچاس ہزار بھی چھپ جانا کچھ مشکل نہیں۔ اس وقت تک ۵۰۰ آرڈر بک ہو چکے ہیں۔ جو میرے لئے حوصلہ افزا ہیں۔ مگر میری توقع کے مطابق نہیں۔

ایک ہندو سیٹھ کا پچاس کاپیوں کا آرڈر

قادیان کی ایک مشہور معروف فرم سیٹھ پیارالال کنہیا لال کے مالک سیٹھ پیارالال بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ان کی فرم کی بنی ہوئی انگوٹھیاں الیس اللہ بکاف عبدہ کی ہندوستان سے نکل کر مصر۔ شام۔ لندن اور افریقہ تک پھیل گئی ہیں۔ سیٹھ پیارالال کے زمانہ میں ان کی فرم کو بہت فروغ ہوا۔ جماعت سے ان کے تعلقات بہت مضبوط ہوگئے۔ اور جماعت کے افراد ان کی فرم پر بھاری اعتماد رکھتے ہیں۔ ہر عید کی تقریب پر کم از کم ۵۰۰ روپے کا کریانہ وہ جمع کرکے جماعت کے افراد کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔

سیٹھ پیارالال نے جوبلی کے موقع پر حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں ہدایا پیش کئے۔

سیٹھ پیارالال صاحب کو جب معلوم ہوا۔ کہ میں حضرت ام المؤمنین کی سیرت لکھ رہا ہوں۔ تو انہوں نے بصد منت مجھے کہا۔ کہ

> میں ان کی طرف سے پچاس کاپیوں کا آرڈر لکھوں۔ اور وہ ان کتابوں کو چھپ جانے پر مفت تقسیم کرائیں گے

اس ایک امر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ام المؤمنین کی عظمت اور تقدس کا سکہ غیر از جماعت لوگوں پر بھی ہے نیز یہ بھی کہ سیٹھ پیارالال صاحب کا یہ آرڈر ان لوگوں کے لئے ایک تازیانہ کا کام دے گا۔ جو احساس کرنے کے باوجود پھر اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ ہاں اچھا کام ہے۔ بڑا ضروری اور بڑا مفید ہے

(محمود احمد عرفانی)

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر و پبلشر و پرنٹر چھپ کر دفتر الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا)

مجھ پر بیماری کا پھر حملہ ہوا

اس نمبر کے لکھوانے سے قبل میں اپنے دل میں بعض مضامین سوچ کر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میں وہ سیرت نمبر کے لئے لکھونگا۔ مگر مقادیر الٰہی کا سلسلہ اپنا الگ کام کرتا ہے۔ میں اچھا ہو کر یکدم پھر بیمار ہو گیا۔ کھانسی کا حملہ تھا۔ اور اسکی کیفیت یہ تھی۔ کہ کھانستے کھانستے ایسا معلوم ہونے لگتا۔ کہ گلے کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اور اس کے ساتھ دائیں طرف کے پھیپھڑہ میں ایک دن درد محسوس ہوئی۔ جسے ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے پلورسی قرار دیا۔ سینہ پھر بلغم سے بھر گیا۔ اور حلق پر اس قدر شدید حملہ ہوا۔ کہ بولنے کی قوت جاتی رہی۔ اسکے ساتھ بخار بھی رہنے لگا۔ اس وقت بہت خفیف سا افاقہ ہے۔

احباب کرام نے اس سے قبل والد صاحب قبلہ کی درخواست پر میرے لئے چالیس روز دعا کی۔ اور اس دعا نے میرے لئے معجزانہ رنگ میں کام کیا۔ میں اپنے ان محسن احباب سے نہایت دردمند دل سے ملتجی ہوں۔ کہ وہ میرے لئے ایک دفعہ پھر اللہ تعالےٰ کے باب رحمت کو کھٹکھٹائیں۔ تا میں تندرست ہو کر خدمت دین کر سکوں۔

(خاکسار محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم)

(بقیہ نوٹ صـ۳)

ہوئے منظوری دیدی۔ جس پر خاکسار نے اللہ کا نام لیکر ایک ماہ دس دن کے اندر اندر ریویو اردو۔ تشحیذ الاذہان کے بعض ضروری فائل۔ اخبار الفضل کے شروع سے آخر تک کے تمام فائل۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تمام مطبوعہ تقاریر۔ مجلس ہائے مشاورت کی تمام مطبوعہ رپورٹیں حضور کی اکثر تصانیف۔ درس القرآن کے طبع شدہ مجموعے تفسیر کبیر کا مطبوعہ حصہ پڑھ ڈالا۔ اور جہاں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد۔ والدین اور خاندان کے متعلق۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حضور علیہ السلام کے اہلبیت کے متعلق۔ حضور کے صحابہ و متبعین اور اپنے متعلق۔ حضور کے دشمنوں کے متعلق۔ اس وقت کی قادیان کے متعلق اور اس وقت کے حکام و افسران کے متعلق جو کچھ بھی حضرت فضل عمر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بیان فرمایا تھا۔ تکرارات چھوڑ کر اسے الگ نقل کر لیا۔ اور اس طرح تاریخ سلسلہ سے متعلق یہ گرانمایہ ذخیرہ کاپی سائز کے چھ سو صفحات پر مشتمل جمع ہو گیا۔

اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی صحابی کی طرف سے بھی اتنا ضخیم۔ پر کیف اور معلومات سے لبریز ذخیرۂ روایات اس سے قبل دفتر تالیف و تصنیف میں موصول نہ ہو سکا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جو مواقع ہمارے آقا و مولیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو حاصل تھے۔ وہ اوروں کو میسر بھی نہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے جہاں حضور پُر نور کو واقعات کو اپنی آنکھوں دیکھنے کے سب سے زیادہ مواقع بخشے۔ وہاں حضور انور کو حافظہ اور ذہن بھی ایسا بے نظیر عطا فرمایا۔ کہ بچپن کی باتیں بھی آج حضور عالی کو اسی طرح یاد ہیں۔ جس طرح کہ وہ ظہور میں آئیں۔ حضور انور نے خود ہی ایک موقع پر فرمایا تھا۔ کہ

"جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا۔ اس وقت میں بچہ تھا۔ دو پونے دو سال کی عمر ہو گی۔ پس اس وقت کے حالات تو میں نہیں بتا سکتا۔ مگر چھ سال کی عمر سے میں سلسلہ کے حالات جانتا ہوں۔ بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے کے حالات جب میری عمر پانچ سال یا ساڑھے پانچ سال کی تھی۔ اس وقت کے مجھے بعض واقعات یاد ہیں۔ ان (مخالفین) کے منصوبے یاد ہیں۔ ان کی وہ کوششیں یاد ہیں۔ جو ہمارے خلاف شب و روز کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ کے تمام واقعات میرے ذہن میں اس وقت تک ایسی صورت میں جمع ہیں۔ جس طرح غبار کے پیچھے سے کوئی چیز نظر آتی ہو۔"

اسی طرح ایک اور موقعہ پر یہ فرمایا۔ کہ

"میری تعلیم تو کچھ نہ تھی۔ لیکن یہ بات تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں جا بیٹھتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضؓ کی مجلس میں چلا جاتا تھا۔ کھیلا بھی کرتا تھا۔ مجھے شکار کا شوق تھا۔ فٹ بال بھی کھیل لیتا تھا۔ لیکن گلیوں میں بیکار نہیں پھرتا تھا۔ بلکہ اس وقت کی مجلسوں میں بیٹھتا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ بڑے بڑے کتابیں پڑھنے والوں سے میرا علم خدا تعالیٰ کے فضل سے زیادہ تھا۔" (الفضل جلد ۲۷ نمبر ۵۸ صـ۶)

صرف یہی نہیں۔ کہ حضور انور کو حضرت اقدس اور حضرت خلیفہ اول رضؓ کی مجالس میں زیادہ سے زیادہ وقت تک بیٹھنے کا موقعہ ملتا رہتا تھا۔ بلکہ حضور علیہ السلام کے دیگر صحابہ سے بھی ملنے اور ان سے گذشتہ واقعات سننے کا پورا پورا موقعہ حاصل تھا۔ اسی پر بس نہیں۔ خاندان کے دیگر بزرگوں اور گھر میں سیدۃ النساء حضرت ام المؤمنین اطال اللہ عمرہا و بقارہا سے بھی بہت کچھ سننے کے مواقع میسر تھے۔ اور سفر و حضر کے علاوہ دار المسیحؑ کے اندر جو کچھ ہوتا تھا وہ سب حضور کی نگاہوں میں رہتا تھا۔

پس ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ میں داخل نہیں۔ کہ حضور کی بیان کردہ روایات معلومات سے لبریز بیش قیمت اور واقعی پر کیف ہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ اگر حضور انور ان واقعات کو خود اپنے قلم مبارک سے رقم فرماتے۔ تو یہ مجموعہ اور بھی زیادہ جامع اور شاندار اور روح پرور ہوتا۔ مگر چونکہ بحالات موجودہ اس قسم کی امید کا بر آنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے جب تک ایسا نہ ہو۔ یہ فراہم شدہ ذخیرہ بھی بہت کچھ مفید اور کار آمد ثابت ہوگا۔ اگر خدا تعالےٰ نے توفیق دی۔ اور اس مجموعہ کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا موقعہ ملا۔ تو عین ممکن ہے۔ کہ اس وقت یہ اپنی موجودہ شکل سے کہیں زیادہ عمدہ اور دلکش صورت میں ہدیۂ قارئین کیا جا سکے۔ افسوس کہ اس وقت بھی مجموعہ ہذا کو حضرت کے حضور نظر ثانی کے لئے پیش کرنے کا موقع نہیں۔ کیونکہ حضور پر نور کی طبیعت علیل ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی کوئی ایسا وقت لے آئے۔ کہ حضور انور اس مجموعہ روایات پر نظر ثانی فرما سکیں۔ یا کم از کم جن واقعات کو حضور نے موقع کے لحاظ و مناسبت سے مختصر طور پر بیان فرمایا ہے۔ انہیں بالتفصیل رقم فرماویں۔

میں نے بعض روایات پر فٹ نوٹ بھی دیئے ہیں۔ اور ارادہ تھا۔ کہ آخر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ مگر افسوس کہ وقت کی تنگی اور ایک ضروری سفر درپیش آ جانے کے باعث اس کام کو آخر تک نہ نبھا سکا۔ لیکن توقع ہے۔ کہ جب یہ روایات کتابی شکل میں شائع ہوں گی۔ تو اس وقت یہ کمی پوری کر دی جائیگی۔

آخر میں ایک بات اور عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ یہ جسقدر واقعات و روایات جمع کی گئی ہیں۔ یہ زیادہ تر اخبارات سے لی گئی ہیں۔ اور یہ احباب کو معلوم ہے۔ کہ اخبارات میں جسقدر خطبات۔ تقاریر یا ڈائریاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ وہ آخری دو تین سال چھوڑ کر حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے نظر ثانی کرائے بغیر چھپتی رہی ہیں۔ اس لئے اگر ان واقعات یا روایات میں کوئی نقص۔ خامی یا غلطی نظر آئے۔ تو اس سے خاکسار کو اطلاع دی جائے۔ تا کہ وہ حضور پُر نور کی خدمت میں پیش کر کے اسکی اصلاح کروا دی جائے۔ میں نے ان روایات کو مرتب کرتے وقت ترتیب زمانی کا خیال رکھا ہے۔ مگر باوجود کوشش کے میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس میں مجھے پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ امید ہے۔ کہ جن بزرگوں اور دوستوں کی نگاہ سے یہ روایات گذریں۔ اور انہیں اس ترتیب میں جہاں بھی کوئی خامی یا نقص نظر آئے۔ اس سے خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں۔ تا کہ ان روایات کے کتابی ایڈیشن میں اس قسم کا نقص یا خامی نہ رہنے پائے۔

پہلے تو یہی ارادہ تھا۔ کہ سنہ ۱۹۱۴ء تک کے تمام واقعات و روایات قسط اول میں شائع کر دی جائیں۔ مگر اخبار کی موجودہ گنجائش کو دیکھتے ہوئے فی الحال پچھتر روایات پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔ انشاء اللہ الرحمٰن باقی روایات آئندہ پرچوں میں بالاقساط شائع ہوتی رہیں گی۔ آخر میں خاکسار مرتب اپنے بزرگوں اور دوستوں سے درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ جہاں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کاملہ اور درازیٔ عمر کے لئے دعا فرماویں۔ تا کہ ہم آئندہ بھی اسی طور کی اور بھی بہت سی ایمان پرور۔ روح افزا اور حقائق و معارف سے مالا مال روایات حضور پر نور کی زبان مبارک سے سنتے رہیں۔ وہاں اس ہیچمدان کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی موجودہ امراض سے نجات بخشے۔ اور توفیق دے۔ کہ میں اس گرانمایہ روحانی علمی اور تواریخی ذخیرہ کو زیادہ سے زیادہ مکمل صورت میں احباب کرام اور بزرگان عظام کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق پاؤں۔

(خاکسار ملک فضل حسین جامع و مرتب روایات از دفتر تالیف و تصنیف قادیان دار الامان۔)

روایاتِ محمود (امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق روایات جمع کرنے کا کام کئی سال سے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت نظارت تالیف وتصنیف قادیان کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ کچھ مدت گزری کہ حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب ناظر تالیف و تصنیف کے ارشاد پر جب میں نے اس کام کا چارج لیا۔ تو مجھے روایات صحابہ پر مشتمل چند رجسٹروں کے علاوہ بزرگ محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کا مرتب کردہ وہ رجسٹر بھی ملا۔ جس میں قادیان کے تمام صحابہ کرام کے نام مع ضروری کوائف کے درج تھے۔ اور ساتھ ہی مجھے بتلایا گیا۔ کہ اس رجسٹر میں جسقدر صحابہ کے نام درج ہیں۔ ان سب کی طرف سے ابھی تک روایات دفتر میں موصول نہیں ہوئیں۔ ابھی بہت سے صحابہ باقی ہیں۔ کہ جن سے روایات حاصل کرنی ہوں گی۔ لہٰذا کام شروع کرنے سے قبل ضروری ہے۔ کہ اس رجسٹر کی پڑتال کرو۔ اور جس جس بزرگ سے ابھی تک روایات نہیں مل سکیں۔ ان کی خدمت میں درخواست کرکے روایات حاصل کرو۔

جب میں نے رجسٹر ہٰذا کو کھولا۔ تو سب سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا نام نامی نظر آیا۔ کہ جن سے ابھی تک کوئی روایت دفتر حاصل نہیں کر سکا۔ اس کے بعد اور بھی کئی نام تھے۔ میرے لئے ضروری تھا۔ کہ حضور پرنور کی خدمت میں روایات کے لئے درخواست کروں۔ مگر چونکہ ان دنوں آقائے نامدار باوجود علیل ہونے کے بھی تفسیر کبیر کی تالیف میں مصروف تھے۔ اس لئے مجھے روایات کے متعلق درخواست کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا۔ کہ ان حالات میں کامیابی آسان نہیں۔ مگر میرے لئے اس نام کو چھوڑ کر آگے بڑھنا بھی مشکل تھا۔ اس لئے کئی منٹ تک غور کرتا رہا۔ آخر کار ایک تجویز ذہن میں آئی۔ اور بندہ اسی وقت اپنے مخدوم و محسن حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب ناظر تالیف و تصنیف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ خاکسار کو چارج میں یہ رجسٹر بھی ملا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی مجھے کہا گیا ہے۔ کہ اس میں جن ناموں کے آگے خانے خالی ہیں۔ ان سے روایات کے لئے درخواست کروں۔ مگر اس میں سب سے اول حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ہی اسم گرامی لکھا ہے۔ اور موجودہ حالات میں جبکہ حضور انور بیمار ہیں۔ اور باوجود بیماری کے تفسیر کبیر پر اپنا بہت سا وقت صرف فرما رہے ہیں۔ میں کس طرح روایات کے لئے درخواست کرکے کامیابی کا مُنہ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ حضور کی روایات کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ اگر آنمخدوم پسند کریں۔ اور منظوری عطا فرمائیں۔ تو رجسٹر ہٰذا کا خانہ اول پر ہو سکتا ہے۔ اور وہ تجویز یہ ہے۔ کہ چونکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ابتداء زمانہ خلافت سے اپنے خطبوں۔ لیکچروں۔ تقریروں اور زبانی گفتگوؤں میں اور بعض کتابوں میں بھی مختلف امور اور مسائل پر اظہار خیالات فرماتے ہوئے ضمناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حضور علیہ السلام کے صحابہ کے متعلق۔ حضور پرنور کے مخالفین کے متعلق۔ زمانہ حضرت اقدسؑ کے متعلق بہت سے واقعات بیان فرماتے رہے ہیں۔ اگر وہ جمع کر لئے جائیں۔ تو اس طرح ایک اچھا خاصہ ذخیرہ روایات جمع ہو سکتا ہے۔ اور جمع کرنے کے بعد اگر موقعہ ملے۔ تو اسے ترتیب دیکر حضور انور کی خدمت میں پیش کرکے نظر ثانی بھی کروائی جا سکے گی۔ اور اس طرح آسانی کے ساتھ ہمارے پاس روایات کا ایک نادر اور وقیع ذخیرہ جمع ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے خاکسار کی اس تجویز کو پسند فرماتے

(بقیہ نوٹ ملاحظہ فرمائیں صلہ کالم ۲و۳ پر)

(۱) ہمارا خاندان انگریزوں کے عہد میں بھی رہا ہے اور سکھوں کے عہد میں بھی۔ لیکن اس کے کسی فرد نے بھی کسی کی نجاجت اور خوشامد نہیں کی۔ اور اعزاز کے لحاظ سے اس کا ایسا رتبہ تھا۔ کہ دہلی کا وزیر[1] ایک دفعہ یہاں (قادیان میں) آیا۔ اور اس نے افسوس کیا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہوتا۔ کہ مغلیہ خاندان کے ایسے افراد بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ تو میں کبھی ایسے نکمے آدمی کو دہلی کے تخت پر نہ بٹھلاتا۔ مگر چونکہ ہمارا خاندان خوشامد پسند نہ تھا۔ اسلئے وہ باوجود بہت بڑے اعزاز کے دہلی سے بے تعلق رہتا تھا۔

(اخبار الفضل جلد ۱۷ نمبر ۷۶ صلا)

(۲) ہمارے پاس وہ کاغذات موجود ہیں[2]۔ جن میں گورنمنٹ نے ہمارے خاندان کی خدمات کا اعتراف کیا اور یہ وعدہ کیا ہوا ہے۔ کہ اس خاندان کو وہی اعزاز دیا جائے گا۔ جو اسے پہلے حاصل تھا۔ ہمارے پڑدادا[3] کو ہفت ہزاری کا درجہ ملا ہوا تھا۔ جو مغلیہ سلطنت میں صرف شہزادوں کو ملا کرتا تھا۔ پھر عضد الدولہ کا خطاب حاصل تھا۔ یعنی حکومت کا بازو۔ مگر ہم نے کبھی گورنمنٹ کے سامنے ان کاغذات کو پیش نہیں کیا۔ (الفضل جلد ۲۲ نمبر ۵۰ صلا)

(۳) ہمارے خاندان کی تاریخ جنگی تاریخ ہے۔ اور اب بھی ہمارا فوج کے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے خود مرزا شریف احمد صاحب کو فوج میں داخل کرایا ہے[4]۔ اور اب ان کا لڑکا[5] فوج میں شامل ہو رہا ہے۔ ہمارے تایا صاحب نے غدر کے موقعہ پر جنگ میں نمایاں حصہ لیا[6]۔ ہمارے دادا فوجی جرنیل تھے دلی کے بادشاہوں کی چٹھیاں[7] ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ جن میں اس امر کا اعتراف ہے۔ کہ ہمارا خاندان ہی تھا جس نے سکھوں کے زمانہ میں اسلام کی حفاظت کے لئے قربانیاں کیں۔" (الفضل جلد ۲۵ نمبر ۱۷۵ صلا)

(۴) اس ملک کے بادشاہوں کی یہ حالت تھی۔ کہ چار بادشاہوں[8] کو برابر ہمارے آباء توجہ دلاتے رہے۔ کہ پنجاب کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ ہم لڑ رہے ہیں۔ مگر ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں۔ کہ اس فتنہ کا کامیاب مقابلہ کر سکیں۔ ہماری امداد کے لئے مرکز سے فوج بھیجی جائے۔ اور وہ چاروں بادشاہ یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ شاباش تم خوب مقابلہ کر رہے ہو۔ ہم بھی آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی پنجاب میں نہیں آیا۔ یہاں تک کہ چاروں فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ بے حسی کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ مسلمانوں نے اپنی بے حسی کی وجہ سے سکھوں کے حملوں کو معمولی سمجھا۔ اور اس کے ازالہ کی کوئی کوشش نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ تمام شان و شوکت جو انہیں حاصل تھی۔ جاتی رہی۔ (الفضل جلد ۳۰ نمبر ۷ صلا)

(۵) احمد بیگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دور کا رشتہ دار تھا۔ اور حضرت اقدسؑ کے خاندان میں مشرکانہ خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ ہمارے خاندان میں پہلے پنڈت اور پروہت بھی اسی طرح ہوتے تھے۔ جس طرح مولوی اور ہمارے خاندان کی ریاست ان پروہتوں کی بے وفائی سے گئی تھی۔ حضرت صاحب کے دادا[9] جب بچہ تھے۔ اس وقت کوئی سکھ ملنے کو آیا۔ اور اس نے کہا واہگورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح۔ انہوں نے بھی یہی لفظ دوہرا دیئے (اس پر) ان کے والد[10] اندر چلے گئے۔ اور کہا اب یہ ریاست سلامت نہیں رہے گی۔ چنانچہ ان کی حکومت کے دوران میں اسلام کی جگہ مشرکانہ خیالات اور ہندوانہ رسومات آگئی تھیں۔ اور اس وقت سے برابر یہ مرض خاندان کے اکثر لوگوں میں چلا آرہا تھا۔ (الفضل جلد ۸ نمبر ۷۶ صلا)

(۶) میں نے خود یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ وہ اس وقت کوٹھے پر تھے۔ جب انہیں اطلاع ہوئی۔ تو وہ ملاقات کے لئے نیچے اترے۔ پیچھے پیچھے وہ تھے۔ اور آگے آگے ان کے بیٹے تھے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا تھے۔ گویا بیٹا پہلے اتر رہا تھا۔ اور ان کے پیچھے ان کے والد چلے آرہے تھے۔ جو بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں حتیٰ کہ میں نے خود سکھوں سے سنا ہے۔ کہ لڑائی میں انہیں گولی ماری جاتی تھی۔ تو گولی ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔ جب وہ نصف سیڑھیوں پر پہنچے۔ تو نیچے سے انہیں آواز آئی۔ سکھ رئیس ان کے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ واہ گوروجی کا خالصہ۔ اس پر ان کے بیٹے نے بھی اسی رنگ میں جواب دیا۔ کہ واہ گوروجی کا خالصہ۔ انہوں نے جب اپنے

---

[1] یہ وزیر جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب مرحوم کے عہد بابرکات میں قادیان آیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف "کتاب البریہ" صفحات ۱۳۸ - ۱۳۹ خاکسار مرتب۔

[2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ اس قسم کی چٹھیات میں سے بہت سی گم ہو گئیں۔ (کتاب البریہ صلا) اور ان میں سے[*]

[3] شہنشاہ ہند محمد فرخ سیر غازی کی طرف سے ہفت ہزاری کا منصب اور عضد الدولہ کا خطاب حضرت مرزا فیض محمد صاحب کو حاصل تھا۔ جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دادا کے دادا تھے۔ (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۴۸)

[4] حضرت صاحبزادہ صاحب ایک مدت تک فوج میں کیپٹن رہے۔ اب اسسٹنٹ ریکروٹنگ افسر ہیں۔

[5] صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بھی بفضلِ خدا اس وقت فوج میں کیپٹن ہیں۔

[6] تاریخ رئیسان پنجاب مصنفہ سر لیپل گریفن

[7] یہ چٹھیاں سیرت المہدی حصہ سوم میں شائع ہو چکی ہیں۔

[8] (۱) فرخ سیر (۲) محمد شاہ (۳) شاہ عالم ثانی (۴) عالمگیر ثانی

[9] مرزا عطا محمد صاحب مرحوم۔

[10] حضرت مرزا گل محمد صاحب مرحوم۔

[*] بعض کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنے رسالہ اشاعت السنہ بٹالہ جلد ۶ نمبر ۷ میں شائع کر چکے ہیں۔ نیز حضرت اقدسؑ کی تصانیف "شحنہ حق" و "کتاب البریہ" میں بھی یہ درج ہیں۔

بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سُنے۔ تو انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے وہیں سیڑھیوں سے واپس لوٹ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ سردار صاحب سے کہہ دو۔ کہ میری طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ میں ان سے مل نہیں سکتا۔ پھر اپنے بیٹے کا ذکر کرکے فرمانے لگے۔ کہ اس کے زمانہ میں ہماری ریاست جاتی رہے گی۔ (الفضل جلد ۳۰ نمبر ۱۷۰ صفحہ)

(۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آپ کے خاندان کو قادیان چھوڑنی پڑی۔[1] کپور تھلہ میں حضرت صاحب کے دادا کا انتقال ہوا۔ اس وقت حضرت اقدس کے والد کی عمر سولہ[16] سال کی تھی۔ آپ نے کہا۔ کہ میں اپنے والد کی لاش قادیان ہی میں دفن کروں گا۔ لوگوں نے کہا۔ وہاں سکھ قابض ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور لاش لے کر چل پڑے۔ یہاں سکھ مانع ہوئے۔ مگر رعایا کو ان سے ہمدردی ہو گئی۔ اور لاش دفن ہو گئی۔" (الفضل جلد ۱۰ نمبر ۱ صفحہ ۱۶)

(۸) "بے سروسامانی کی یہ حالت تھی۔ کہ کسی سے پانچ سیر دانے قرض لیکر گھر میں دیئے۔ اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کہ عزت پاکر وطن میں واپس آؤں گا۔"

(الفضل جلد ۱۰ نمبر ۳ صفحہ ۳)

(۹) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ذکر میں کہ انسان کو کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہمارے دادا صاحب کا ذکر سنایا کرتے تھے۔ کہ جب ہمارے خاندان کی ریاست جاتی رہی۔ تو ان کے والد صاحب کو یہاں سے نکلنا پڑا۔ اور کپور تھلہ کی ریاست میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت ریاست والوں نے چاہا۔ کہ آپ کو دو گاؤں گذارہ کے لئے دے دیں۔ لیکن آپ نے نہ لئے اور فرمایا۔ اگر ہم نے یہ گاؤں لے لئے۔ تو پھر یہیں رہ پڑیں گے۔ اور اس طرح اولاد کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اور اپنی خاندانی روایات قائم رکھنے کا خیال اس کے دل سے جاتا رہے گا۔ لیکن وہ ایک لمبے عرصہ تک وہیں رہے۔ پھر جس وقت ہمارے دادا ذرا بڑے ہوئے۔ تو اس وقت سولہ سترہ سال کی عمر تھی۔ کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ انہوں نے انہیں لاکر قادیان میں دفن کیا۔ اور خود دہلی پڑھنے چلے گئے۔ حالانکہ کوئی سامان میسر نہ تھا۔ ایک میراثی خدمتگار کے طور پر ساتھ گیا۔ شاید اس زمانہ کے لوگوں میں وفا کا مادہ زیادہ ہوتا تھا۔ کہ اس غربت کی حالت میں اس شخص نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب دہلی پہنچے۔ تو ایک مسجد میں جہاں مدرسہ تھا۔ جاکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے سنا ہوا تھا۔ کہ دہلی شاہی جگہ ہے۔ اور وہاں لڑکوں کو مفت تعلیم ملتی ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے کئی دن گذر گئے۔ مگر کسی نے ان کا حال تک دریافت نہ کیا۔ اور نہ کھانے کو کچھ دیا۔ آخر جب تین دن کا فاقہ ہو گیا۔ تو چوتھے دن کسی شخص کو خیال آیا۔ کہ انہیں اتنے دن یہاں بیٹھے ہو گئے ہیں۔ انہیں کھانے کو تو کچھ دینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ ایک سوکھی روٹی لاکر انہیں دے گیا۔ اس نے جو روٹی ان کے ہاتھ میں دی۔ تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ہمراہی نے سمجھ لیا۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ روٹی خراب ہے۔ اور انہیں دیکھ کر اپنی گذشتہ حالت یاد آگئی ہے۔ اور اس کا تصور کرکے تکلیف محسوس ہوئی ہے۔ اس موقعہ پر اس نے مذاق کے طور پر ان کا دل بہلانے کے لئے کہا۔ لائیے میرا حصہ مجھے دیں۔ ان کو پہلے ہی غصہ آیا ہوا تھا اس کا یہ فقرہ سنکر انہوں نے زور سے روٹی اٹھاکر اسکی طرف پھینکی۔ جو اتفاقاً اسکی ناک پر لگی۔ اور خون بہنے لگا۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ محنت کی۔ اور اس قدر ہمت سے کام لیا۔ کہ آخر ایک بہت بڑے عالم اور طبیب ہو گئے۔ واپس آئے۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ انہوں نے ان کی جائیداد[2] (۸۴ گاؤں میں سے) سات گاؤں واگذار کر دیئے۔ اور جرنل کے عہدہ پر فوج میں مقرر کیا۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۰)

(۱۰) میری طبیعت یہ ہے۔ اور یہی طبیعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی تھی۔ بلکہ دینی لحاظ سے گو حالت کچھ ہو۔ یہی طبیعت ہمارے دادا صاحب کی بھی تھی۔ کہ وہ کسی سے دب کر صلح نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہمارے خاندان نے دو حکومتوں کے تغیر کے وقت سخت نقصان اٹھایا ہے۔ جب سکھ آئے تب بھی اور جب انگریز آئے تب بھی۔ کیونکہ یہ ہماری طبیعت کے خلاف ہے۔ کہ ہم کسی کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوں۔ اسی لئے جب سکھ آئے۔ تو نہ سکھوں کے آگے ہم جی حضور کرتے رہے۔ اور نہ جب انگریز آئے۔ تو انگریزوں کے آگے ہم نے جی حضور کیا۔ گو ہمارے خاندان نے سکھوں اور انگریزوں دونوں سے تعاون بھی کیا۔ اور ان کی مدد بھی کی۔ اور ان لوگوں سے زیادہ مدد کی جو جی حضور کرتے رہتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ کبھی انگریزوں کے آگے گردن جھکا کر کھڑے نہیں ہوئے۔ یہ ایک خاندانی اثر ہے۔ جو میرے اندر پایا جاتا ہے۔ اور مذہب نے اسے اور زیادہ رنگ دے دیا ہے۔"

الفضل جلد ۲۶ ع — صفحہ ۵

(۱۱) ہمارے دادا صاحب کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ وہ بڑے دنیادار تھے۔ اور ہمیشہ دنیا کے خیالات میں منہمک رہتے لیکن شرافت خاندانی کی حس ان میں اس قدر تھی۔ کہ پرانے لوگوں سے سنا ہے۔ کہ وہ ایک دفعہ کمشنر سے ملنے گئے۔ دورانِ گفتگو میں کمشنر پوچھ بیٹھا۔ کہ میں دورہ پر جانے والا ہوں۔ یہ بتائیں۔ کہ قادیان سے سری گوبندپور کتنے میل ہے۔ اس نے جونہی یہ سوال کیا۔ ہمارے دادا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ میں اپنی ہتک کرانے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ میں کوئی ہرکارہ نہیں۔ کہ ایسا سوال مجھ سے کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کمشنر ان کی منتیں کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ مگر یہ حس ان میں تھی۔ کہ میں عزت رکھتا ہوں۔ اگر تم میری عزت کا پاس نہیں کر سکتے۔ تو میں جاتا ہوں۔

(الفضل جلد ۲۶ نمبر ۲۲۳ صفحہ)

(۱۲) حضرت مسیح موعود فرماتے تھے۔ کہ آپ کے والد صاحب کا قاعدہ تھا۔ کہ ایک موسم میں خاص مقدار میں غرباء میں غلہ اور نقدی تقسیم کرتے۔ ایک شخص بٹالہ کا بھی آیا کرتا تھا۔ اس کو آپ نے ایک دفعہ چنے اور کچھ پیسے دیئے۔ وہ چنوں کا بڑا حصہ راستہ میں ہی ختم کر گیا۔ حالانکہ جو کچھ اسکو ملا تھا۔ وہ گھر کے لئے تھا۔ (الفضل جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۵)

(۱۳) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت شروع سے ہی اتنی کمزور تھی۔ کہ بعض دفعہ بیماری کے حملوں کے وقت اردگرد بیٹھنے والوں نے سمجھا۔ کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ (تقریر جلسہ سالانہ "حضرت مسیح موعود کے کارنامے" صفحہ ۱۷)

(۱۴) ایک دعوت میں میں نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے پانی پینے سے روکا۔ تو اس نے کہا۔ کہ حضرت صاحب بھی بائیں ہاتھ سے پانی پیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت صاحب کے ایسا کرنے کی ایک وجہ تھی۔ اور وہ یہ کہ آپ بچپن میں گر گئے تھے۔ جس سے ہاتھ میں چوٹ آئی۔ اور ہاتھ اتنا کمزور ہو گیا تھا۔ کہ اس سے گلاس تو اٹھا سکتے تھے۔ مگر منہ تک نہ لے جا سکتے تھے۔ مگر سنت کی پابندی کے لئے آپ گو بائیں ہاتھ سے گلاس اٹھاتے تھے۔ مگر نیچے دائیں ہاتھ کا سہارا بھی دے لیا کرتے تھے۔ (الفضل جلد ۱۰ نمبر ۱۳ صفحہ ۳)

(۱۵) جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی۔ تو اس وقت آپ اپنی ایک ہمنشین لڑکی کو جس سے بعد میں آپ کی شادی بھی ہو گئی کہا کرتے تھے۔ کہ "نامرادے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے"۔ اس فقرہ سے جو نہایت بچپن کی عمر کا ہے۔ پتہ چلتا ہے۔ کہ نہایت بچپن کی عمر سے آپ کے دل میں کیسے جذبات موجزن تھے۔ اور آپ کی خواہشات کا مرکز کس طرح خدا ہی ہو رہا تھا۔"

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۲۸)

(۱۶) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہاں ایک چوہڑا تھا۔ جو اصطبل وغیرہ میں اور ہمارے گھر میں کام کرتا تھا۔ فرماتے تھے ایک دفعہ بچپن میں ہم نے کھیلتے ہوئے ہمجولیوں سے دریافت کرنا شروع کیا۔ کہ تمہاری کیا خواہش ہے۔ پھر اس بچپن کی عمر کے لحاظ سے اس سے بھی دریافت کیا۔ کہ تمہاری کیا خواہش ہے۔ اور کس چیز کو سب سے زیادہ تمہارا دل چاہتا ہے اس نے جواب دیا۔ میرا دل اس بات کو چاہتا ہے۔ کہ تھوڑا تھوڑا بخار چڑھا ہوا ہو۔

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہو۔ سردی کا موسم ہو۔ میں لحاف اوڑھے چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں۔ اور دو تین سیر بھُنے ہوئے چنے میرے سامنے رکھے ہوں۔ اور میں انہیں ٹھونگتا جاؤں۔ یعنی ایک ایک کرکے کھاتا جاؤں۔ یہ تھی اسکی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کسی سننے والے نے کہا۔ تم نے اس میں بخار کی شرط کیوں لگائی ہے۔ تو اس نے کہا اس لئے کہ پھر مجھے کوئی کام کرنے کے لئے نہیں بلائے گا۔"

(الفضل جلد ۳۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۳)

(۱۷) کبھی وہ وقت بھی تھا۔ کہ وہ شخص جس کے متعلق بعض دفعہ اس کے والد کے گہرے دوست بھی اس کا نام

---

[1] دیوا سنگھ پسر تارا سنگھ ملک کو تاخت و تاراج کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے تعلقہ قادیان مغلاں کو جہاں (مرزا) عطا محمد مرزا گل محمد مقیم تھے۔ زبردستی سے لیا۔ اور مغلوں کو اپنے گھروں سے باہر نکال دیا۔"

(عمدۃ التواریخ تتمہ دفتر اول و دوم)

[2] اس (سردار جودھ سنگھ) کا چچا تارا سنگھ مر گیا۔ تو اس کے بیٹے دیوان سنگھ نے جودھ سنگھ سے لڑ کر اپنی جائیداد علیحدہ کر لی۔ اور تعلقہ قادیان کے ۸۴ دیہات پر جن کی آمدنی آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ قابض

سن کر کہا کرتے تھے۔ کہ ہمیں نہیں معلوم تھا۔ کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے والد کے دوستوں میں سے کئی ایسے تھے۔ جو سالہا سال تک یہ معلوم نہ کر سکے تھے۔ کہ مرزا غلام قادر کے سوا ان کا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ کیونکہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ گوشۂ تنہائی میں رہنے اور اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے کے عادی تھے۔ (الفضل جلد ۲۲ نمبر ۷۹ صفحہ ۳)

(۱۸) میرے زمانہ (خلافت) میں ہمارے ایک رشتہ دار[1] جو قریب کے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ بیعت کی۔ اور بتایا کہ میں یہاں آیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو نہ جانتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کے والد کو جانتا تھا۔ تو حضرت صاحب ایسے گمنام انسان تھے۔ کہ رشتہ دار بھی آپ کو نہ جانتے تھے۔ (تقریر جلسہ سالانہ "حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے" صفحہ ۱۶)

(۱۹) باوجود اس کے کہ آپ دنیا سے متنفر تھے۔ مگر آپ سست ہرگز نہ تھے۔ بلکہ نہایت محنت کش تھے۔ اور خلوت کے دلدادہ ہونے کے باوجود مشقت سے نہ گھبراتے تھے۔ اور بارہا ایسا ہوتا تھا۔ کہ آپ کو جب کبھی کسی سفر پر جانا پڑتا تھا۔ تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ آگے روانہ کر دیتے۔ اور آپ پیادہ ہی سفر کرتے تھے۔ اور سواری پر کم چڑھتے تھے۔ اور یہ عادت پیادہ چلنے کی آپ کو آخر عمر تک تھی۔ اور ستر سال سے متجاوز میں جبکہ بعض سخت بیماریاں آپ کو لاحق تھیں۔ اکثر روزانہ ہوا خوری کے لیے جاتے تھے۔ اور چار پانچ میل روزانہ پھر آتے۔ اور بعض اوقات سات میل پیدل پھر لیتے تھے۔ اور بڑھاپے سے پہلے کا حال آپ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ بعض اوقات صبح کی نماز سے پہلے اٹھ کر (نماز کا وقت سورج نکلنے سے سوا گھنٹہ پہلے ہوتا ہے) سیر کے لیے چل پڑتے تھے۔ اور وڈالہ تک پہنچ کر (جو بٹالہ کی سڑک پر قادیان سے قریباً ساڑھے پانچ میل پر ایک گاؤں ہے) صبح کی نماز کا وقت ہوتا تھا۔ (رسالہ ریویو اردو بابت ماہ نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۴۰۳)

(۲۰) مجھے یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ کے والد صاحب اور ہمارے دادا صاحب اکثر اوقات افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کہ میرا ایک بچہ تو لائق ہے۔ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی اور ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب) مگر دوسرا لڑکا (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اسے آتا ہے۔ اور نہ وہ کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے۔ کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے؟ (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۷۸ صفحہ ۳)

(۲۱) آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بعض دفعہ آپ کے والد نہایت افسردہ ہو جاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ میرے بعد اس لڑکے کا کس طرح گذارہ ہوگا۔ اور اس بات پر ان کو سخت رنج تھا۔ کہ یہ اپنے بھائی کے دست نگر رہے گا۔ اور کبھی کبھی وہ آپ کے مطالعہ پر چڑ کر آپ کو ملاں بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ یہ ہمارے گھر میں ملاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے خود ان کے دل میں بھی آپ کا رعب تھا۔ اور جب کبھی وہ اپنی دنیاوی ناکامیوں کو یاد کرتے تھے۔ تو دینی باتوں میں آپ کا استغراق دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اور اس وقت فرماتے تھے۔ کہ اصل کام تو یہی ہے۔ جس میں میرا بیٹا لگا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ ان کی ساری عمر دنیا کے کاموں میں گذری تھی۔ اس لئے افسوس کا پہلو غالب رہتا تھا۔ مگر حضرت مرزا صاحب اس بات کی بالکل پروا نہ کرتے تھے۔ بلکہ کسی کسی وقت قرآن و حدیث اپنے والد صاحب کو بھی سنانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ اور یہ ایک عجیب نظارہ تھا۔ کہ باپ اور بیٹا دو مختلف کاموں میں لگے ہوتے تھے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو شکار کرنا چاہتا تھا۔ باپ چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح بیٹے کو اپنے خیالات کا شکار کرے۔ اور دنیاوی عزت کے حصول میں لگا دے۔ اور بیٹا چاہتا تھا۔ کہ اپنے باپ کو دنیا کے خطرناک پھندا سے آزاد کر کے اللہ تعالےٰ کی محبت کی لو لگا دے۔ غرض یہ عجیب دن تھے۔ جن کا نظارہ کھینچنا قلم کا کام نہیں"۔ (رسالہ ریویو اردو ستمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۳۳)

(۲۲) مجھے سب سے زیادہ ایک بوڑھے شخص کی شہادت پسند آیا کرتی ہے۔ یہ ایک سکھ ہے۔ جو آپ کا بچپن کا واقف ہے[2]۔ وہ آپ کا ذکر کر کے بے اختیار رو پڑتا ہے۔ سنایا کرتا ہے۔ کہ ہم کبھی آپ کے پاس آ کر بیٹھتے تھے۔ تو آپ ہمیں کہتے۔ کہ جا کر میرے والد صاحب سے سفارش کرو۔ کہ وہ مجھے خدا اور دین کی خدمت کرنے دیں۔ اور دنیوی کاموں سے معاف رکھیں۔ پھر وہ شخص یہ کہہ کر رو پڑتا۔ کہ "وہ تو پیدائش ہی سے ولی تھے"۔ (احمدیت یعنی حقیقی اسلام صفحہ ۱۰۶)

(۲۳) یہاں سے جنوب کی طرف ایک گاؤں ہے۔ کاہلواں اس کا نام ہے۔ وہاں کا ایک سکھ مجھے اکثر ملنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی محبت تھی۔ کہ باوجود سکھ ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر جا کر سلام کیا کرتا تھا۔ دعا کا طریق ان میں نہیں۔ خلافت کے ابتدائی ایام میں جبکہ ۹ - ۱۰ بجے کے قریب ڈاک آیا کرتی تھی۔ اور میں مسجد مبارک میں بیٹھ کر دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن وہ سکھ اس وقت جبکہ میں ڈاک دیکھ رہا تھا۔ آیا۔ اور مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر سے ہی مجھے دیکھ کر چیخ مار کر کہنے لگا۔ آپ کی جماعت نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مجھے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے تعلقات کا علم تھا۔ میں نے اسے محبت سے بٹھایا۔ اور پوچھا کیا ہوا ہے۔ آپ بیان کریں۔ اگر میری جماعت کے کسی شخص نے آپ کو کسی قسم کی تکلیف اور دکھ دیا ہے۔ تو میں اسے سزا دوں گا۔ میرے یہ کہنے پر اس نے جو دکھ بتایا۔ وہ یہ تھا۔ کہ میں مرزا صاحب کی قبر پر متھا ٹیکنے کے لیے گیا تھا۔ مگر مجھے متھا ٹیکنے نہیں دیا گیا۔ میں نے کہا۔ ہمارے ہاں یہ شرک ہے۔ اور ہم اسکی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس نے کہا۔ اگر آپ کے مذہب میں یہ ناجائز ہے۔ تو آپ نہ کریں۔ مگر میرے مذہب سے آپ کو کیا واسطہ۔ مجھے کیوں نہ متھا ٹیکنے دیا جائے۔ جب اس کا جوش ٹھنڈا ہوا۔ تو کہنے لگا۔ ہمارا آپ کے خاندان سے پرانا تعلق ہے۔ میرا باپ بھی آپ کے دادا صاحب کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ آیا۔ تو میں اور میرا ایک بھائی بھی ساتھ تھا۔ اس وقت ہم چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ کے دادا صاحب اس وقت افسوس سے میرے باپ سے کہنے لگے۔ مجھے بڑا صدمہ ہے۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے۔ میں اپنے اس لڑکے کو بہت سمجھاتا ہوں۔ کہ کوئی کام کرے۔ مگر یہ کچھ نہیں کرتا۔ کیا میرے مرنے کے بعد یہ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر پڑا رہے گا۔ پھر کہنے لگے لڑکے لڑکوں کی بات مان لیتے ہیں اور ہم دونوں بھائیوں سے کہا۔ تم جا کر اسے سمجھاؤ۔ اور پوچھو کہ اسکی مرضی کیا ہے۔ ہم دونوں بھائی گئے۔ دوسرے بھائی کو تو میں نے نہیں دیکھا۔ وہ پہلے فوت ہو چکا ہے۔ مگر جس نے یہ بیان کیا۔ وہ مجھ سے ملتا رہتا ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ ہم آپ کے والد کے پاس گئے۔ اور جا کر کہا۔ آپ کے باپ کو شکوہ ہے۔ کہ آپ کوئی کام نہیں کرتے۔ آپ کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سنکر فرمایا۔ کہ بڑے مرزا صاحب خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔ میں نے جس کا نوکر ہونا تھا۔ اس کا نوکر ہو چکا ہوں۔ ہم نے آ کر بڑے مرزا صاحب سے کہہ دیا۔ کہ وہ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے جس کا نوکر ہونا تھا۔ ہو چکا ہوں۔ اس پر آپ کے دادا صاحب نے کہا۔ اگر وہ یہ کہتا ہے۔ تو ٹھیک کہتا ہے۔

(الفضل جلد ۲۲ نمبر ۸۷ صفحہ ۶)

(۲۴) اگر مرزا صاحب نے نوکری کی۔ تو ضرور اس میں کوئی اور غرض ہوگی۔ آپ کے دل کی یا اللہ تعالیٰ کی۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس میں دونوں کی ایک ایک غرض تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر ملی ہے۔ جو آپ نے والد صاحب کے نام لکھی تھی۔ آپ کے والد صاحب آپ کو دنیوی معاملات میں ہوشیار کرنے کے لیے مقدمات وغیرہ میں معروف رکھنا چاہتے تھے۔ اور آپ کی جو تحریر ملی ہے۔ اس میں آپ نے اپنے والد صاحب کو لکھا ہے۔ کہ دنیا اور اسکی دولت سب فانی چیزیں ہیں۔ مجھے ان کاموں سے معذور رکھا جائے۔ مگر جب انہوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تو آپ سیالکوٹ چلے گئے۔ کہ دن کو تھوڑا سا کام کر کے رات کو بے فکری کے ساتھ ذکر الٰہی کر سکیں۔ دوسری حکمت اس میں یہ ہے۔ کہ قادیان سارا ہماری ملکیت ہے۔ اور اب بھی جن لوگوں نے وہاں زمینیں لی ہیں۔ وہ سب احمدی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی گویا وہاں کے لوگ ہماری رعایا ہیں۔ اس لیے وہاں کے لوگوں کی حضرت مرزا صاحب کے متعلق شہادت پر کوئی کہہ سکتا تھا۔ کہ خواجہ کا گواہ مینڈک۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیالکوٹ لا ڈالا۔ جہاں آپ کو غیروں میں رہنا پڑا۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا۔ کہ ناواقف لوگوں میں سے وہ لوگ جن پر آپ یا آپ کے خاندان کا کوئی اثر نہ ہو۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے لیے شاہد کھڑے کئے جائیں۔ پھر سیالکوٹ پنجاب میں عیسائیوں کا مرکز ہے۔ وہاں آپ کو ان کے مقابلہ کا بھی موقعہ مل گیا۔ آپ عیسائیوں سے مباحثات کرتے رہتے تھے۔ اور مسلمانوں نے آپ کی زندگی کو دیکھا۔ قادیان کے لوگوں کو آپ کا مزارعہ کہا جا سکتا تھا۔ مگر سیالکوٹ کے لوگوں کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ وہاں کے تمام بڑے بڑے مسلمان آپ کی علو شان کے معترف ہیں۔ مولوی میر حسن صاحب جو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے استاد تھے۔ اور جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اظہار عقیدت کرتے رہے ہیں[3]۔ اگرچہ وہ آخر تک سلسلہ کے مخالف رہے۔ مگر وہ ہمیشہ اس بات کے معترف تھے۔ کہ مرزا صاحب کا کیریکٹر بے نظیر تھا۔ اور آپ کے اخلاق بہت ہی اعلیٰ تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے آپ کو سیالکوٹ میں معمولی نوکری اس غرض سے کرائی تھی۔ کہ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا رعب ہوتا تھا۔ اب تو کانگرس نے اسے بہت کچھ مٹا دیا ہے۔ اس زمانہ میں پادریوں کا رعب بھی

---

[1] مرزا دین محمد صاحب مرحوم ساکن لنگروال ضلع گورداسپور (خاکسار مرتب)

[2] سردار جھنڈا سنگھ آنجہانی (خاکسار مرتب)

[3] سیرۃ النبی و سیرۃ المہدی حصہ اول میں ان کے اعتراف درج ہیں۔

سرکاری افسروں سے کم نہ تھا۔ اور اعلیٰ افسر تو الگ رہے۔ ادنیٰ ملازموں تک کی یہ حالت تھی۔ کہ چٹھی رساں دیہات میں بڑی شان سے جاتے اور کہتے لاؤ مٹھائی کھلاؤ۔ تمہارا خط لایا ہوں۔ سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا۔ تو وہ حضرت مرزا صاحب کے ملنے کے لئے خود کچہری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لئے آیا۔ اور دریافت کیا۔ کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں۔ کوئی کام ہو۔ تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا۔ میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت تھا اس امر کا کہ آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے۔ کہ یہ ایک جوہر ہے۔ جو قابل قدر ہے۔ (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۱۲۷ صفحہ ۶)

(۲۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جوانی کا واقعہ ہے۔ کہ آپ سیالکوٹ میں ایک مکان میں سو رہے تھے۔ اس کمرہ میں ایک ہندو صاحب بھی تھے۔ جن کا نام لالہ بھیم سین تھا۔ اور وہ وکالت کا پیشہ کرتے تھے۔ انہی صاحب کے لڑکے لالہ کنور سین کچھ عرصہ ہؤا لاء کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ اور بعد میں ریاست جموں وکشمیر کے چیف جسٹس بھی رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ کہ جب سب سو گئے۔ اور رات کا ایک حصہ گذر گیا۔ تو چھت میں ٹک ٹک کی معمولی سی آواز پیدا ہوئی۔ (اور ایسی آواز عام طور پر گھروں میں جب شہتیر میں کوئی کیڑا وغیرہ لگا ہؤا ہو۔ سنائی دیا کرتی ہے) اور میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہؤا۔ کہ چھت گرنے والی ہے۔ اس پر میں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ اور کہا کہ یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ مگر انہوں نے کہا۔ کوئی بات نہیں۔ صرف آپ کو وہم ہو گیا ہے۔ ایسی آواز تو ہمیشہ آیا ہی کرتی ہے۔ اور ایسے کیڑے لگے ہوئے شہتیر دس دس اور بیس بیس سال کھڑے رہتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر بڑے زور سے یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ چھت گرنے والی ہے۔ اس پر آپ نے ساتھیوں سے کہا۔ کہ چلو اس کمرہ سے نکلو۔ مگر انہوں نے پھر اسی قسم کا جواب دیا۔ اور آپ پھر لیٹ گئے۔ مگر پھر آپ کے دل پر شدت کے ساتھ یہ خیال غالب ہؤا۔ اور یقین ہو گیا۔ کہ شہتیر ٹوٹنے ہی والا ہے۔ اس پر آپ نے پھر ساتھیوں سے فرمایا۔ کہ اٹھو اور میری خاطر ہی کمرہ سے نکل چلو۔ اس پر وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھے اور کہنے لگے۔ کہ خواہ مخواہ آپ ہماری نیند خراب کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ اس وقت مجھے یقین تھا۔ کہ یہ چھت صرف میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس لئے میں دروازہ میں کھڑا ہو گیا۔ اور ان سب کو ایک ایک کر کے گذرنے کو کہا۔ جب سب نکل گئے۔ تو میرا ایک پاؤں ابھی سیڑھی پر تھا۔ اور دوسرا اندر کہ چھت گر پڑی۔ لالہ بھیم سین پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا۔ کہ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جہلم والا مقدمہ چل رہا تھا۔ اس وقت ان کے لڑکے ولایت سے نئے نئے بیرسٹری پاس کر کے آئے تھے۔ اور شہرت حاصل کر رہے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا۔ کہ میں نے اپنے لڑکے سے کہا ہے۔ کہ یہ اس کے لئے بڑا اچھا موقعہ ہے۔ کہ وہ آپ کے مقدمہ کی پیروی کر کے برکت حاصل کرے۔ لالہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی عقیدت اور تعلق ظاہر کیا کرتے تھے۔ کہ حضور کو اگر کبھی ضرورت پیش آتی۔ تو ان سے قرض منگوا لیا کرتے تھے۔ اور انہیں قرض مانگتے ہوئے حجاب کرتے تھے۔

(الفضل جلد ۲۵ نمبر ۲۶۸ صفحہ ۲)

(۲۶) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ غالباً آپ جن دنوں میں سیالکوٹ میں تھے یا اور کسی مقام پر قادیان سے باہر تھے۔ کہ آپ کو خبر پہنچی۔ کہ آپ کی والدہ سخت بیمار ہیں۔ یہ سنکر آپ فوراً قادیان کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو جو شخص (آپ کو) لینے آیا ہؤا تھا۔ وہ بار بار یکہ والے سے کہنے لگا۔ کہ ذرا جلدی کرو۔ بی بی صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی۔ خدا خیر کرے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اور زیادہ یکہ والے کو تاکید کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ کہ کہیں خدانخواستہ فوت ہی نہ ہو گئی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے۔ میں نے اس فقرہ سے سمجھ لیا۔ کہ وہ فوت ہو چکی ہیں۔ اور یہ مجھے اس صدمہ کے لئے تیار کر رہا ہے۔ اور میں نے اس سے کہا۔ کہ تم ڈرو نہیں اور جو سچ سچ بات ہے۔ وہ بتا دو۔ اس پر اس نے کہا۔ بات تو یہی ہے۔ کہ وہ فوت ہو چکی ہیں۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۴۱)

(۲۷) ایک دفعہ ایسا ہؤا۔ کہ آپ مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے۔ مقدمہ کے پیش ہونے میں دیر ہو گئی۔ نماز کا وقت آگیا۔ آپ باوجود لوگوں کے منع کرنے کے نماز کے لئے چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد مقدمہ کے لئے آپ کو بلایا گیا۔ مگر آپ اپنی عبادت میں مشغول رہے۔ جب فارغ ہوئے۔ تو پھر عدالت میں گئے۔ حسب قاعدہ سرکاری چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ مجسٹریٹ یک طرفہ ڈگری دے دیتا۔ اور ان کے خلاف فیصلہ سنا دیتا۔ مگر اللہ تعالےٰ کو آپ کی یہ بات ایسی پسند آئی۔ کہ اس مجسٹریٹ کی توجہ کو اس طرف پھیر دیا۔ اور اس نے آپ کی غیر حاضری کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کے والد کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (دعوۃ الامیر صفحہ ۲۶)

(۲۸) ابتدائی ایام میں یعنی ابتدائی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے والد صاحب مقدمات کی پیروی کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک اہم مقدمہ چل رہا تھا۔ جسکی کامیابی پر خاندانی عزت اور خاندان کے وقار کا انحصار تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ نے لاہور بھیج دیا۔ کہ وہاں جا کر پیروی کریں۔ چنانچہ آپ لمبا عرصہ جو مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے قریب تھا۔ لاہور میں رہے۔ قادیان کے سید محمدؐ علی شاہ صاحب لاہور میں رہتے تھے۔ ان کے پاس آپ ٹھیرے۔ اور انہوں نے اپنے ایک دوست[1] کی گاڑی کا انتظام کر دیا۔ کہ جب چیف کورٹ کا وقت ہو۔ تو آپ کو وہاں پہنچا آیا کرے۔ اور جب وقت ختم ہو جائے۔ تو آپ کو لے آئے۔ یہ بیان کرنے والے دوست[2] کے والد کی گاڑی تھی۔ کئی دنوں کے انتظار کے بعد جب فیصلہ سنایا گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی سید محمدؐ علی شاہ صاحب کے گھر آگئے۔ سید صاحب نے پوچھا۔ آج آپ گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی آگئے۔ آپ بڑے خوش تھے۔ فرمانے لگے۔ مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ اس لئے میں پہلے ہی آگیا۔ سید صاحب نے آپ کی خوشی کو دیکھ کر سمجھا۔ کہ مقدمہ میں کامیابی ہوئی ہوگی۔ مگر جب پوچھا۔ کہ کیا مقدمہ جیت گئے۔ تو آپ ؑ نے فرمایا۔ مقدمہ تو ہار گئے۔ مگر اچھا ہؤا۔ جھگڑا تو مٹا۔ اب ہم اطمینان سے خدا تعالیٰ کو یاد کر سکیں گے۔ یہ سنکر سید صاحب بہت ناراض ہوئے۔ اس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور جب آپ نے دعویٰ کیا۔ تو بھی کچھ عرصہ تک سید صاحب مخالف رہے۔ انہوں نے ناراض ہو کر کہا۔ اس مقدمہ کے ہار جانے سے تو آپ کے خاندان پر تباہی آجائے گی۔ اور آپ خوش ہو رہے ہیں۔ اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ جو خدا تعالےٰ نے کہا تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ تو دعویٰ سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت تھی۔ آپ دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ آپ فرماتے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جب تک اس نے مجھے مجبور نہیں کر دیا۔ کہ دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوں اس وقت تک میں نے دنیا کی طرف توجہ نہ کی۔ گویا روحانی طور پر آپ غارِ حرا میں رہتے تھے۔ جس میں رہتے ہوئے آپ کو دنیا کی خبر نہ تھی۔ اور دنیا کو آپ کی خبر نہ تھی۔

(الفضل جلد ۲۲ نمبر ۷۹ صفحہ ۳)

(۲۹) جب آپ اس قسم کے (دنیاوی مقدمات وملازمت وغیرہ) معاملات سے تنگ آگئے۔ تو آپ نے ایک خط اپنے والد صاحب کو لکھا۔ جس میں اس قسم کے کاموں سے فارغ کر دیئے جانے کی درخواست کی۔ اس خط کو میں یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ آپ ابتدائی عمر سے کس قدر دنیا سے متنفر تھے۔ اور یاد الٰہی میں مشغول رہنے کو پسند کرتے تھے۔ یہ خط آپ نے اس وقت کے دستور کے مطابق فارسی زبان میں لکھا تھا۔ اور ذیل میں درج ہے:-

حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ وقواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند چونکہ دریں ایام برأی العین مے بینم وبچشم سر مشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک وبلاد ہر سال چناں وباۓ مے افتد کہ دوستاں وخویشاں را از خویشاں جدا میکند و ہیچ سالے نمے بینم کہ ایں نائرہ عظیم وچنیں حادثہ الیم درآں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر برآں دل از دنیا سرد شدہ است و رواز خوف جان زرد و اکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین شیرازی بیاد مے آیند و اشک حسرت ریختہ میشود۔

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار ؛ مباش ایمن از بازی روزگار

ونیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ[3] قادیانی نمک پاشش جراحت دل میشود۔

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں ؛ کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

لہٰذا میخواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہٗ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے ومافات را تدارکے شود

عمر بگذشت و نماند است جز از گامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

کہ دنیا را اساسے محکم نیست وزندگی را اعتبارے نے و من خاف علیٰ نفسہٖ من آفۃ غیرہ۔

والسلام (دعوۃ الامیر اردو صفحہ ۲۶۱)

[1] ملک بستو صاحب رئیس لاہور۔
[2] ملک غلام محمدؐ صاحب۔
[3] فرخ۔ یہ خود حضرت اقدس ؑ کا دعویٰ سے پہلے کا تخلص تھا۔

ترجمہ اردو:۔ حضرت والد مخدوم من سلامت غلامانہ مراسم اور فدویانہ آداب کی بجا آوری کے بعد آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ ان دنوں یہ امر مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ اور ہر روز یہ بات دیکھی جا رہی ہے۔ کہ تمام ممالک اور قطعات زمین میں ہر سال اس قسم کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ جو کہ دوستوں کو دوستوں سے اور رشتہ داروں کو رشتہ داروں سے جدا کر دیتی ہے۔ اور ان میں دائمی مفارقت ڈال دیتی ہے۔ اور کوئی سال بھی اس بات سے خالی نہیں گزرتا۔ کہ یہ عظیم الشان آگ اور الم ناک حادثہ ظاہر نہ ہوتا ہو۔ یا اسکی تباہی کی وجہ سے شور قیامت برپا نہ ہوتا ہو۔ ان حالات کو دیکھ کر میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے۔ اور چہرہ اس غم سے زرد ہے۔ اور اکثر حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دو مصرعہ زبان پر جاری رہتے ہیں۔ اور حسرت و افسوس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہ پڑتے ہیں۔ ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار ✤ مباش ایمن از بازیٔ روزگار

ناپائیدار عمر پر بھروسہ نہ کر اور زمانہ کی کھیل سے بے خوف نہ ہو۔

نیز فرخ قادیانی کے دیوان سے یہ دو مصرعہ بھی میرے زخموں پر نمک چھڑکتے رہتے ہیں۔ ؎

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں
کہ وقت اجل میرسد ناگہاں

اپنے دل کو دنیائے دوں میں نہ لگا۔ کیونکہ موت کا وقت ناگہاں پہنچ جاتا ہے۔

اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ باقی عمر گوشۂ تنہائی اور کنج عزلت میں بسر کروں۔ اور عوام کی صحبت اور مجالس سے علیحدگی اختیار کروں۔ اور اللہ تعالےٰ سبحانہٗ کی یاد میں مصروف ہو جاؤں۔ تاکہ تلافی مافات کی صورت پیدا ہو جائے۔ ؎

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

عمر کا اکثر حصہ گزر گیا ہے۔ اور اب چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ چند (روز) کسی کی یاد میں بسر ہوں۔ کیونکہ دنیا کی کوئی پختہ بنیاد نہیں۔ اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور حیات مستعار پر کوئی اعتماد نہیں۔ (عربی فقرہ) جس شخص کو اپنا فکر ہو۔ اسے کسی آفت کا کیا غم۔

(۳۰) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے والد صاحب کا ایک واقعہ لطف لے کر بیان کیا کرتے تھے۔ کہ آپ جب فوت ہوئے۔ اس وقت اسی ۸۰ سال کے قریب عمر تھی۔ مگر وفات سے ایک گھنٹہ پہلے آپ پاخانہ کے لئے اٹھے۔ آپ کو سخت پیچش تھی۔ اور پاخانہ کے لئے جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک ملازم نے آپ کو سہارا دیا۔ مگر آپ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیا۔ اور کہا۔ کہ مجھے سہارا کیوں دیتے ہو؟ اس کے ایک گھنٹہ بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ (الفضل جلد ۲۳ نمبر ۲۷ صـ۳)

(۳۱) جب آپ کے والد صاحب فوت ہو گئے۔ تو آپ نے سب کاموں سے بالکل قطع تعلق کر لیا۔ اور مطالعہ دین اور روزہ داری اور شب بیداری میں ہی اپنے اوقات بسر کرنے لگ گئے۔ اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کے حملوں کا جواب دیتے رہتے اس زمانہ میں لوگ ایک ایک پیسہ کے لئے لڑتے ہیں مگر آپ نے اپنی سب جائیداد اپنے بڑے بھائی صاحب کے سپرد کر دی۔ کھانا ان کے گھر سے آپ کو آ جاتا۔ اور جب وہ ضرورت سمجھتے۔ کپڑے بنوا دیتے۔ اور آپ نہ جائیداد کا حصہ لیتے۔ اور نہ اس کا کوئی کام کرتے۔ لوگوں کو نماز روزہ کی تلقین کرتے۔ تبلیغ اسلام کرتے۔ اور غریبوں مسکینوں کی بھی خبر رکھتے۔ اور تو آپ کے پاس کچھ تھا نہیں۔ بھائی کے ہاں سے جو کھانا آتا۔ اسی کو غرباء میں بانٹ دیتے۔ اور بعض دفعہ دو تین تولہ غذا پر گذارہ کرتے۔ اور بعض دفعہ یہ بھی نہ باقی رہتی۔ اور فاقہ سے ہی رہ جاتے۔ یہ نہیں تھا۔ کہ آپ کی جائیداد معمولی تھی۔ اور آپ سمجھتے تھے۔ کہ چلو گذارہ ہو رہا ہے۔ اس وقت ایک سالم گاؤں آپ کے اور آپ کے بھائی کا مشترکہ تھا۔ اور علاوہ از جاگیر وغیرہ کے بھی آمدن تھی۔"

(دعوت الامیر صـ۲۶۲)

(۳۲) جب ہمارے دادا فوت ہو گئے۔ تو باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ دین کی طرف اس قدر تھی۔ کہ بڑے بھائی سے جائیداد وغیرہ کے متعلق کوئی سوال نہ کیا۔ آپ دن رات مسجد میں پڑے رہتے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان دنوں میں بھنے ہوئے چنے اپنے پاس رکھ لیا کرتا تھا۔ اور آخر عمر تک باوجودیکہ بڑھاپا آ گیا تھا۔ آپ کو چنوں کا شوق رہا۔ اور شاید یہ ورثہ کا شوق ہے۔ جو مجھے بھی ہے۔ اور مجھے دنیا کی نعمتوں کے مقابلہ میں چنے اچھے لگتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں پوشیدہ طور پر روزے رکھتا۔ تو چنوں پر گذارہ کر لیتا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھ ماہ تک متواتر روزے رکھے۔ اس عرصہ میں بسا اوقات دو پیسے کے چنے آپ بھنوا کر رکھ لیتے۔ تبلیغ اسلام کا شوق آپ کو شروع سے ہی تھا۔ ہندو لڑکوں کو اپنے پاس جمع کر لیتے۔ اور ان سے مذہبی گفتگو کرتے رہتے۔ حافظ معین الدین صاحب جو آپ کے خادم تھے۔ اور نابینا تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب گھر سے کھانا لانے کے لئے بھیجتے۔ تو بعض اوقات اندر سے عورتیں کہہ دیا کرتیں۔ کہ انہیں تو ہر وقت مہمان نوازی کی فکر رہتی ہے۔ ہمارے پاس کھانا نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے۔ اور خود چنوں پر گذارہ کرتے۔ (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۷۸، صـ۳)

(۳۳) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ایک شخص کے متعلق فرماتے تھے۔ جسے پھر خدا تعالےٰ نے ہدایت دے دی۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ آپ سے تعلقات بھی ہو گئے۔ اور اس کا انجام بھی اچھا ہو گیا۔ اس کے متعلق فرماتے۔ کہ ابتدا میں اس سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ آپ اس سے الگ ہو گئے۔ اور وہ واقعہ یہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے۔ کہ اس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ میں بھی اس کے ہاں گیا۔ اور بڑے بھائی صاحب بھی۔ اور لوگ بھی تھے۔ وہ بڑے بھائی صاحب کو دیکھ کر ان سے لپٹ گیا۔ اور چیخ مار کر کہنے لگا۔ مرزا صاحب! خدا نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے۔ ہمارا اس سے بڑا تعلق تھا۔ لیکن یہ بات سنکر ایسی نفرت ہو گئی۔ کہ اس جنازہ میں شامل ہونا بھی دوبھر ہو گیا۔ اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔" (الفضل جلد ۹ نمبر ۸۴ صـ۵)

(۳۴) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ خاندانی جائیداد کے متعلق ایک مقدمہ تھا۔ اس مکان کے چبوترہ کے متعلق جس میں اب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں۔ اس چبوترہ کی زمین دراصل ہمارے خاندان کی تھی۔ مگر اس پر دیرینہ قبضہ اس گھر کے مالکوں کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی صاحب نے اس کے حاصل کرنے کے لئے مقدمہ چلایا۔ اور جیسا کہ دنیا داروں کا قاعدہ ہے۔ کہ جب زمین وغیرہ کے متعلق کوئی مقدمہ ہو۔ اور وہ اپنا حق اس پر سمجھتے ہوں۔ تو اس کے حاصل کرنے کے لئے جھوٹی سچی گواہیاں دلائیں۔ اس پر اس گھر کے مالکوں نے یہ امر پیش کر دیا۔ کہ ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی کو بلا کر گواہی لی جائے۔ اور جو وہ کہہ دیں۔ ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور گواہ عدالت میں پیش ہوئے۔ اور جب آپ سے پوچھا گیا۔ کہ کیا آپ ان لوگوں کو اس رستہ سے آتے جاتے اور اس پر بیٹھتے عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ اس پر عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ کے بڑے بھائی صاحب نے اسے اپنی ذلت محسوس کیا۔ اور بہت ناراض ہوئے۔ مگر آپؑ نے فرمایا۔ کہ جب امر واقعہ یہ ہے۔ تو میں کس طرح انکار کر سکتا ہوں"۔ (الفضل جلد ۱۴ نمبر ۹۴ صـ۶)

(۳۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی زمانہ کا ایک ایسا واقعہ ہے۔ جسے خدا تعالےٰ نے قبول فرمایا بلکہ وہ سلسلہ کی بنیاد کا محرک ہو گیا۔ آپ ایک مرتبہ جوانی کے ایام میں بٹالہ تشریف لے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بعد میں آپ کے مکفر بن گئے۔ نئے نئے حدیث کا علم پڑھ کر بٹالہ آئے تھے۔ اور نیا نیا جوش تھا۔ وہ ہر مجلس میں حنفیوں کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اور حنفیوں میں بھی ان کے مقابلہ کا بہت جوش تھا۔ مگر ان کا کوئی مولوی ان کے سامنے ٹھیرتا نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اتفاق سے بٹالہ تشریف لے گئے۔ تو ایک شخص نے ان سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کے لئے آپ کو مجبور کیا۔ اور کہا کہ وہ مکفر عقائد رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا چلو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ لوگ بہت جمع تھے۔ اور بڑا ہجوم ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمد حسین صاحب آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ نے مولوی صاحب سے پوچھا۔ کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ میرا دعویٰ یہ ہے۔ کہ سب سے مقدم قرآن کریم ہے۔ اور اس کے بعد

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول۔ اور اس کے مقابل پر ہم کسی اور انسان کے قول کو نہیں لے سکتے۔ آپ نے یہ بات سنکر فرمایا۔ کہ آپ کی یہ بات تو معقول ہے۔ اس پر لوگوں نے شور مچا دیا۔ کہ ہار گئے ہار گئے۔ جو لوگ آپ کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ وہ بڑے غصہ میں آئے۔ کہ آپ نے ہم کو ذلیل کر دیا۔ مگر آپ نے کسی بات کی پروا نہ کی اور فرمایا۔ کہ کیا میں یہ کہوں۔ کہ امت کے کسی فرد کا قول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر مقدم ہے؟ اور اس طرح خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کر دیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترک بحث کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا۔ اور وہ تجھے بہت برکت دیگا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔" پھر بعد اس کے عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ چونکہ آپ نے خالصاً خدا اور اس کے رسول کے لئے انکسار اور تذلل اختیار کیا۔ اس لئے اس محسن مطلق نے نہ چاہا۔ کہ آپ کے اس فعل کو بغیر اجر کے چھوڑے۔

(الفضل جلد ۲۸ نمبر ۹۸ صفحہ ۱-۲)

(۳۶) اسی طرح آپ کے خلاف ایک مقدمہ چلایا گیا کہ آپ نے ڈاکخانہ کو دھوکا دیا ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں یہ قانون تھا۔ کہ اگر کوئی شخص پیکٹ میں کوئی چٹھی ڈال کر بھیجدے۔ تو سمجھا جاتا تھا۔ کہ اس نے ڈاکخانہ کو دھوکا دیا ہے۔ اور ایسا کرنا فوجداری جرم قرار دیا جاتا تھا۔ جس کی سزا قید کی صورت میں بھی دی جا سکتی تھی۔ اب وہ قانون منسوخ ہو چکا ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ ایسے پیکٹ کو بے رنگ کر دیا جاتا ہے۔ اتفاقاً آپ نے ایک پیکٹ مضمون کا اشاعت کے لئے ایک اخبار کو بھیجا۔ اور اس قانون کے منشاء کو نہ سمجھتے ہوئے اس میں ایک خط بھی ڈال دیا۔ جو اس اشتہار کے ہی متعلق تھا۔ اور جس میں چھاپنے وغیرہ کے متعلق ہدایات تھیں۔ پریس والے غالباً عیسائی تھے۔ انہوں نے اسکی رپورٹ کر دی۔ اور آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کے وکیل نے کہا۔ کہ پیش کرنے والوں کی مخالفت تو واضح ہے۔ اس لئے ان کی گواہیوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر آپ انکار کر دیں۔ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں اکثر مقدمات میں آپ کی طرف سے شیخ احمدؐ علی صاحب وکیل گورداسپور پیروی کیا کرتے تھے۔ اور آپ کی زندگی کی پاکیزگی کو دیکھ کر دعویٰ کے بعد بھی گو وہ احمدی نہ تھے۔ آپ پر بہت حسن ظن رکھتے تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا۔ کہ اور کوئی گواہ تو ہے نہیں۔ پھر وہ خط اسی مضمون کے متعلق ہے۔ اور اسے اشتہار کا حصہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے آپ بغیر جھوٹ کا ارتکاب کئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ میں نے تو اشتہار ہی بھیجا تھا۔ خط کوئی نہیں بھیجا۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ جو بات میں نے کی ہے۔ اس کا انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ چنانچہ جب آپ پیش ہوئے۔ اور عدالت نے دریافت کیا۔ کہ آپ نے کوئی خط مضمون میں ڈالا تھا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس راستبازی کا دوسروں پر تو اثر ہوتا تھا ہی۔ خود عدالت پر اس قدر اثر ہوا۔ کہ اس نے آپ کو بری کر دیا۔ اور کہا کہ ایک اصطلاحی جرم کے لئے ایسے راستباز آدمی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔

(الفضل جلد ۲۴ نمبر ۹۴ صفحہ ۷)

(۳۷) حضرت صاحب ایک مرتبہ امرتسر سے آ رہے تھے۔ بٹالہ کو۔ راستہ میں دھوپ سخت تھی۔ تکلیف تھی۔ یکہ میں بیٹھنے لگے (ریل نہیں تھی) تو ایک اور آدمی جو ہندو تھا۔ کود کر پہلے اندر جا بیٹھا۔ اور اپنے موٹاپے سے تمام یکہ کو اندر سے روک لیا۔ اب حضرت صاحب کو دھوپ میں بیٹھنا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک بادل کا ٹکڑا بھیج دیا۔ جو امرتسر سے بٹالہ تک برابر آپ کے سر پر سایہ کرتا آیا۔ (الفضل جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۵)

(۳۸) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ ایک رویا دیکھی۔ کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی۔ ایک چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ آپ بھی اس پر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب ذرا آگے سرک گئے۔ حضرت صاحب اور آگے ہو گئے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے آخر مولوی صاحب نیچے ہو بیٹھے۔ اور حضرت صاحب کے لئے چارپائی خالی چھوڑ دی۔ (الفضل جلد ۱۷ نمبر ۱۰۰ صفحہ ۶)

(۳۹) ملاوامل کے متعلق حضرت صاحب کا الہام تھا۔ یہودا اسکریوطی۔ ایک دفعہ اسکو سل ہو گئی تھی۔ علاج کرانے کے واسطے حضرت صاحب کے پاس آیا کرتا تھا۔ نہایت نازک حالت میں اس نے اقرار کیا تھا۔ کہ اگر میں اچھا ہو گیا۔ تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ لیکن ابھی تک اچھا بھلا پھرتا ہے۔ لیکن مسلمان نہیں ہوا۔ (الفضل جلد ۹ نمبر ۸۶ صفحہ ۶)

(۴۰) مسلمانوں پر اسی وقت مصیبت اور تباہی نازل ہوئی۔ جب سے انہوں نے جمعہ کو چھوڑا ہے۔ اول تو اکثر حصہ مسلمانوں کا جمعہ پڑھتا ہی نہیں۔ اور جو پڑھتا ہے۔ وہ بعد میں احتیاطی پڑھ لیتے ہیں۔ کہ شاید جمعہ کی نماز ہوئی بھی ہے کہ نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہمارا ایک دوست تھہ غلام نبی[1] کا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ ایک گاؤں میں جمعہ پڑھا۔ وہ وہابی تھا۔ اور وہابی جمعہ پڑھنے کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن اس نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعتیں اور پڑھیں۔ ہم نے اس سے پوچھا۔ کہ یہ تم نے کیا کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ احتیاطی پڑھی ہے۔ لیکن لوگ تو اس لئے احتیاطی پڑھتے ہیں۔ کہ نماز نہیں ہوئی۔ اور میں نے اس لئے پڑھی ہے۔ کہ مار نہ پڑے۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے والوں کو یہ لوگ مارتے ہیں۔ (الفضل جلد ۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱)

(۴۱) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ آپ لاہور تشریف لے گئے۔ بعض دوستوں نے تحریک کی۔ کہ شاہدرہ میں ایک مجذوب رہتا ہے۔ اس کے پاس جانا چاہیئے۔ مگر بعض دوسرے دوستوں نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ اور کہا کہ وہ نہایت گندی گالیاں بکتا ہے۔ اس کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔ مگر جو جانے کے حق میں تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ آپ کو الہام ہوتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے وہ کیا کہتا ہے۔ آپ خود بھی انکار کرتے رہے۔ مگر دوست اصرار کرکے لے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ جب ہم وہاں پہنچے وہ گالیاں دیتے دیتے یکدم خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس ایک خربوزہ رکھا تھا۔ اسے اٹھا کر میرے پیش کیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ آپ کی نذر ہے۔ دیکھنے والے تو اس کے اور بھی معتقد ہو گئے۔ مگر آپؑ نے فرمایا۔ کہ وہ پاگل تھا۔ تو بعض اوقات پاگل کو بھی ایسی باتیں نظر آجاتی ہیں۔ جو عقلمند نہیں دیکھ سکتے۔ وہ چونکہ دنیا سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اسے بھی کسی وقت غیب کی باتیں نظر آجاتی ہیں۔ (الفضل جلد ۲۶ نمبر ۱۷۱ صفحہ ۴)

(۴۲) علم توجہ کیا ہے؟ وہ محض چند کھیلوں کا نام ہے۔ لیکن دعا وہ ہتھیار ہے۔ جو زمین و آسمان کو بدل دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ صرف براہین احمدیہ لکھی تھی۔ کہ اسکی صوفیاء و علماء میں بہت شہرت ہوئی۔ پیر منظور محمدؐ صاحب اور پیر افتخار احمدؐ صاحب کے والد صوفی احمدؐ جان صاحب اس زمانہ کے نہایت ہی خدا رسیدہ بزرگوں میں سے تھے۔ جب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار پڑھا۔ تو آپ سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اور خواہش ظاہر کی۔ کہ اگر کبھی لدھیانہ تشریف لائیں۔ تو مجھے پہلے سے اطلاع دیں۔ اتفاقاً انہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لدھیانہ جانے کا موقعہ ملا۔ صوفی احمدؐ جان صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت کی۔ دعوت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے گھر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ کہ صوفی احمدؐ جان بھی ساتھ چل پڑے۔ وہ رتڑ چھتڑ والوں کے مرید تھے۔ اور ماضی قریب میں رتڑ چھتڑ والے ہندوستان کے صوفیاء میں بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے۔ اور تمام علاقہ میں مشہور تھے۔ علاوہ زہد و اتقاء کے انہیں علم توجہ میں اس قدر ملکہ حاصل تھا۔ کہ جب وہ نماز پڑھتے۔ تو ان کے دائیں بائیں بہت سے مریض صف باندھ کر بیٹھ جاتے۔ نماز کے بعد جب وہ سلام پھیرتے۔ تو سلام پھیرنے کے ساتھ ہی دائیں بائیں پھونک بھی مار دیتے۔ جس سے بہت سے مریض اچھے ہو جاتے۔ صوفی احمدؐ جان صاحب نے ان کی بارہ سال شاگردی کی۔ اور وہ ان سے چکی پسواتے رہے۔ راستہ میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استفسار پر عرض کیا۔ کہ میں نے اتنے سال رتڑ چھتڑ والوں کی خدمت کی ہے۔ اور اس کے بعد مجھے وہاں اس قدر طاقت حاصل ہوئی ہے۔ کہ دیکھئے میرے پیچھے جو شخص آ رہا ہے۔ اگر میں اس پر توجہ کروں۔ تو وہ ابھی گر جائے۔ اور تڑپنے لگے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی سوٹی کی نوک سے زمین پر نشان بناتے ہوئے فرمایا۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی۔ جب آپ پر خاص جوش کی حالت ہوتی۔ تو آہستگی سے اپنی سوٹی کے سر کو اس طرح زمین پر آہستہ آہستہ رگڑتے۔ جس طرح کوئی چیز کرید کر نکالنی ہو) صوفی صاحب! اگر وہ گر جائے۔ تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ اور اسکو کیا فائدہ ہوگا۔ وہ چونکہ اہل اللہ میں سے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں دوربین نگاہ دی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ بات سنتے ہی ان پر محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ اور کہنے لگے۔ میں آج سے اس علم سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ دنیوی بات ہے۔ دینی بات نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ایک اشتہار دیا۔ جس میں لکھا۔ کہ یہ علم اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ چنانچہ کوئی ہندو اور عیسائی بھی اس علم میں

---

[1] تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور میں ایک موضع ہے

ماہر ہونا چاہے۔ تو ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ آج سے میرا کوئی مرید اسے اسلام کا جزو سمجھ کر نہ کرے۔ ہاں دنیوی علم سمجھ کر کرنا چاہے۔ تو کر سکتا ہے۔

میں نے کہا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے انہیں دوربین نگاہ دی ہوئی تھی۔ اس کا ہمارے پاس ایک حیرت انگیز ثبوت ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی براہین احمدیہ ہی لکھی تھی۔ کہ وہ سمجھ گئے۔ کہ یہ شخص مسیح موعود بننے والا ہے۔ حالانکہ اس وقت تک ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی یہ انکشاف نہیں ہوا تھا۔ کہ آپ کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ انہی دنوں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک خط میں یہ شعر لکھا۔ ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر ؛ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

یہ امر بتاتا ہے۔ کہ وہ صاحب کشف تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں بتا دیا تھا۔ کہ یہ شخص مسیح موعود ہونے والا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ سے پہلے ہی فوت ہو گئے مگر وہ اپنی اولاد کو وصیت کر گئے۔ کہ حضرت مرزا صاحب دعویٰ کریں گے۔ انہیں ماننے میں دیر نہ کرنا۔ اسی تعلق کی بناء پر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شادی ان کے ہاں ہوئی۔ (الفضل جلد ۲۳ نمبر ۲۴ صفحہ ۵)

(۴۳) آپ (صوفی احمد جان صاحب) بہت بڑے بزرگ تھے۔ اور اپنے زمانہ کے نیک لوگوں میں سے تھے۔ ایک دفعہ مہاراجہ جموں نے ان کو دعوت دی۔ کہ آپ جموں آکر میرے لئے دعا کریں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا۔ اگر آپ دعا کرانا چاہتے ہیں۔ تو یہاں آکر کرائیں۔۔۔۔۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی برکت اور فیض سے ان کے سارے خاندان کو اور ان کے بہت سے مریدوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی توفیق دی۔ شہزادہ عبدالمجید خاں صاحب (مبلغ ایران) بھی ان کے مریدوں میں سے تھے۔ جو افغانستان کے شاہی خاندان سے تھے۔ اور شاہ شجاع کی نسل سے تھے۔ (الفضل جلد ۱۵ نمبر ۷۶ صفحہ ۹)

(۴۴) براہین احمدیہ کی شہرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ لاکھوں آدمی آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک کی تو شہادت بھی موجود ہے۔ جو دعوے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ یعنی صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی نے دعویٰ سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر ؛ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

یہ تو ایک دوربین ولی اللہ کی نظر تھی۔ مگر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جن کی نگاہ اتنی دوربین نہ تھی۔ وہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ اسلام کی نجات آپ سے وابستہ ہے۔ مگر جب وہ ہتھیار آپ کو دیا گیا۔ جس سے دشمن پامال ہو سکتا تھا۔ وہ آب حیات دیا گیا۔ جس سے مسلمانوں کی زندگی مقدر تھی۔ تو بڑے بڑے مخلص آپ سے متنفر ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ جسے ہم سونا سمجھتے تھے۔ افسوس وہ تو پیتل نکلا۔ ایسے لاکھوں انسان یکدم بدظن ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب آپ نے بیعت کا اعلان کیا۔ تو پہلے روز صرف چالیس اشخاص نے بیعت کی۔ یا تو لاکھوں اخلاص رکھتے تھے۔ اور پرانے لوگ سناتے ہیں۔ کہ کس طرح بڑے بڑے علماء کہتے تھے۔ کہ اسلام کی خدمت اسی شخص سے ہو سکتی ہے۔ اور خود لوگوں کو آپ کے پاس بھیجتے تھے۔ ؎ حتیٰ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ براہین کے شائع ہونے پر میں مرزا صاحب کی زیارت کے لئے پیدل چل کر قادیان گیا۔ ؎ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جنہوں نے آخر میں اپنا سارا زور مخالفت میں صرف کر دیا۔ انہوں نے بھی لکھا۔ کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں کسی نے اسلام کی اس قدر خدمت نہیں کی۔ جتنی اس شخص نے کی ہے۔ ؎ (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۱۱۰ صفحہ ۹)

(۴۵) ایک دفعہ مسجد مبارک میں بیٹھے ہوئے نائب مدیر الفضل نے عرض کیا۔ کہ حضرت صاحب کے بھی لمبے بال تھے۔ اور کہ شیخ غلام احمد صاحب نومسلم کہا کرتے ہیں۔ کہ ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں میں نے جب لدھیانہ میں حضرت صاحب کو پہلے پہل دیکھا تھا۔ اس وقت حضور کے بال لمبے تھے۔ اور سر پر فقیرانہ وضع کی ٹوپی تھی۔ (اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا)

”ہاں حضرت صاحب کے بال لمبے تھے اور پہلے ہندوستانی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ اور کلاہ بھی پہنتے تھے۔ جو آج کل کا سا چھوٹا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ لمبا ہوتا تھا۔ اور غرارہ بھی استعمال فرماتے تھے“ (الفضل جلد ۹ نمبر ۳۶ صفحہ ۵)

(۴۶) کفر کی نگاہ تو اتنی تیز ہوتی ہے۔ کہ وہ انبیاء کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی خدا کی آواز کو پہچان لیتا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ لکھی۔ تو اس وقت آپ کو خود بھی معلوم نہ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ آپ کو نبی بنانے والا ہے۔ اور آپ نہیں سمجھتے تھے۔ کہ خدا تعالےٰ کے الہامات سے کیا مراد ہے۔ لیکن لدھیانہ کا ایک مولوی ؎ اس وقت اٹھا۔ اور اس نے اس کتاب کو پڑھ کر اس وقت کہہ دیا۔ کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ اسکی ابھی سے مخالفت شروع کر دو۔ اس وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی خیال نہ آیا۔ چنانچہ اس وقت انہوں نے اس کتاب کی تائید میں ایک ریویو لکھا۔ حضرت مسیح موعود کے دعوائے نبوت کے بعد جب مولوی محمد حسین آپ کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ لینے گئے۔ تو اس مولوی نے انہیں کہا۔ اب تم میرے پاس فتویٰ لینے آئے ہو۔ کیا میں نے اسی وقت نہ کہہ دیا تھا۔ کہ مرزا صاحب کی مخالفت کرو۔ لیکن اس وقت تم نے ان کی تائید کی۔“ (الفضل جلد ۲۵ نمبر ۱۶۷ صفحہ ۴)

(۴۷) مولوی برہان الدین صاحب نے حضرت صاحب سے جو پہلی دفعہ ملاقات کی ہے۔ وہ بھی ایک لطیفہ ہی ہے۔ ؎ کہتے تھے۔ کہ میں قادیان میں آیا۔ لیکن حضرت صاحب گورداسپور میں تھے۔ اس لئے وہاں گیا۔ جس مکان میں حضرت صاحب ٹھیرے ہوئے تھے۔ اس کے ایک طرف باغ تھا۔ حامد علی مرحوم دروازہ پر بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ مگر میں باغ میں چھپ چھپ کر دروازہ تک پہنچ گیا۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر جو دیکھا۔ تو حضرت صاحب ٹہل رہے تھے۔ اور جلدی جلدی لمبے لمبے قدم اٹھاتے تھے۔ میں جھٹ پیچھے کو مڑا۔ اور میں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ شخص صادق ہے۔ جو جلدی جلدی ٹہل رہا ہے۔ ضرور اس نے کسی دور کی منزل پر ہی پہنچنا ہے۔ تبھی تو یہ جلدی جلدی چل رہا ہے۔ وہابی ہو کر مولوی صاحب کا اس قسم کا خیال کرنا عجیب ہی بات ہے۔ ورنہ عموماً یہ لوگ خشک ہوتے ہیں۔ (الفضل جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ ۶)

(۴۸) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رویا دیکھی تھی۔ کہ آپ نے خدا تعالےٰ کے حضور بعض کاغذات پیش کئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس پر سرخی سے دستخط کرنے چاہے۔ اور قلم کو زیادہ سرخی لگنے پر چھڑکا۔ جس سے چھینٹے گرے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں پر پڑے۔ اس وقت جبکہ آپ نے یہ رؤیا دیکھی مولوی عبداللہ سنوری آپ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں پر ایک سرخ نشان پڑا ہے۔ جو گیلا تھا۔ انہوں نے اپنی ٹوپی دیکھی۔ تو اس پر بھی اس قسم کا نشان تھا۔ اس پر انہوں نے خیال کیا۔ کہ شاید چھت سے چھپکلی کی دم کٹنے سے خون گرا ہو۔ مگر انہوں نے جب چھت کی طرف دیکھا۔ تو وہ اس قسم کی تھی۔ کہ وہاں چھپکلی کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پر انہیں بہت حیرت ہوئی۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے۔ تو آپ نے پوچھا۔ کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ حضرت صاحب نے اس کے متعلق کچھ نہ فرمایا۔ تب مولوی عبداللہ صاحب نے کہا۔ میں نے اس قسم کا نشان دیکھا ہے۔ حضرت صاحب نے جواب سے اجتناب کرنا چاہا۔ مگر جب انہوں نے اصرار کیا۔ تو پھر حضرت صاحب نے رؤیا کا ذکر فرمایا۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرتہ دیکھا گیا۔ تو اس پر بھی نشان تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے درخواست کی۔ کہ وہ کرتہ انہیں دے دیا جائے۔ تاکہ وہ لوگوں کو نشان دکھا سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے تو انکار کیا۔ اور فرمایا۔ ایسی باتوں سے شرک پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مگر پھر ان کے اصرار پر اس شرط پر دے دیا۔ کہ جب وہ فوت ہوں۔ تو ان کے ساتھ ہی کرتہ بھی دفن کر دیا جائے۔ تاکہ اس قسم کا شرک نہ پیدا ہو۔ اس شرط پر مولوی صاحب نے وہ کرتہ لے لیا۔ اور اس کے متعلق انہیں ایسا عشق تھا۔ کہ جلسہ پر لوگوں کو خاص طور پر دکھلایا کرتے تھے۔ اور اس طرح لاکھوں آدمیوں نے اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور وہ اس بات کے گواہ ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیا ایسے رنگ میں پوری ہوئی۔ جسے کوئی سائنس کا مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔ مولوی صاحب کی ٹوپی جس پر چھینٹا پڑا تھا۔ وہ تو کسی نے چرا لی۔ مگر کرتہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ جو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (تقریر دلپذیر صفحہ ۵-۶)

(۴۹) مجلس مشاورت منعقدہ ۱۹۳۱ء میں جب دارالبیعت لدھیانہ کی تعمیر وغیرہ کی تجویز بالاتفاق پاس ہوئی۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی منظوری دیتے ہوئے فرمایا کہ

”میرے نزدیک یہ نہایت اہم معاملہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ لدھیانہ کو باب لُد قرار دیا ہے۔ جہاں دجّال کے قتل کی پیشگوئی ہے۔ ایسے مقام کے لئے جہاں قادیان سے بیعت لینے کی

؎ تاریخ مرزا صفحہ ۳۵۔ ؎ ریویو براہین۔ ؎ مولوی محمد لدھیانوی ؎ ۔ یہ واقعہ گورداسپور کا نہیں۔ بلکہ ہوشیارپور کا ہے جبکہ ۱۸۸۶ء میں حضور علیہ السلام شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کے ہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اور جہاں چالیس دن تک چلہ کیا۔ اس عرصہ میں لوگوں سے ملاقات بند کر رکھی تھی۔ خاکسار مرتب۔

؎ اخبار چودھویں صدی راولپنڈی۔

لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے۔ جماعت میں خاص احساس ہونا چاہیئے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے جب آپ سے بیعت لینے کی درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہاں نہیں بیعت لی جائیگی۔ پھر لدھیانہ بیعت لی۔ وہاں پیر احمد جان صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جن کو خدا نے دعوت سے پہلے ہی آپ پر ایمان لانے کی توفیق دی۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا۔ ؎

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر ؛ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے سب خاندان کو جمع کیا۔ اور کہا حضرت مرزا صاحب مسیحیت کا دعویٰ کریں گے۔ تم سب ایمان لے آنا۔ چنانچہ یہ سب خاندان ایمان لے آیا۔ پیر منظور محمدؐ صاحب اور پیر افتخار احمدؐ صاحب آپ کے لڑکے ہیں۔ اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ان کی لڑکی ہیں۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ اس مقام کا خاص طور پر نقشہ بنایا جائے۔ اور بیعت کے مقام پر ایک علیحدہ جگہ تجویز کی جائے۔ اور نشان لگا دیا جائے۔ اور اس موقعہ پر وہاں جلسہ کیا جائے چالیس آدمیوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسجگہ بیعت لی تھی۔ ان سب کے نام اس جگہ لکھ دیئے جائیں۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰۶)

(۵۰) گول کمرہ..... جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ سے پہلے مہمانوں کے لئے اور اپنے آرام کے لئے بنوایا تھا۔ ہم چھوٹے چھوٹے تھے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور اگر مجالس مسجد میں نہ فرماتے۔ تو وہاں بیٹھتے۔ (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۱۳ صفحہ ۷)

(۵۱) جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا۔ اس وقت آپ کی حالت اور آپ کے ماننے والوں کی حالت بظاہر بہت کمزور تھی۔ میری پیدائش دعویٰ سے پہلے کی ہے۔ اور گو میں نے ابتدا نہیں دیکھی۔ مگر ابتدا کے قریب کا زمانہ دیکھا ہے۔ وہ زمانہ بھی کمزوری کا زمانہ تھا۔ طرح طرح سے مولوی لوگوں کو جوش دلاتے تھے۔ اور ہر ممکن طریق سے دکھ اور تکالیف پہنچاتے تھے۔ (الفضل جلد ۱۱ نمبر ۴۳ صفحہ ۶)

(۵۲) حضرت صاحب کے پاس ایک غیر احمدی آیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ دعویٰ سے پہلے آپ مولویوں کو جمع کرتے اور اسلام کی حالت اور عیسائیوں کی شرارت کا حال بیان فرما کر ان سے چارہ کار پوچھتے۔ وہ خود آپ سے پوچھتے۔ کہ آپ ہی بتائیں۔ کہ کیا کیا جائے۔ اور آپ اس وقت وفات مسیح کا مسئلہ پیش کرتے۔ اس وقت مولوی صاحبان مان لیتے۔ اور پھر اس طرح اپنے دعویٰ کے متعلق مشورۃً ان سے پوچھتے۔ کہ امت محمدیہ سے ہی کوئی شخص آنا چاہیئے۔ اور وہ مولوی لوگ کہتے۔ کہ آپ ہی اس کے اہل ہیں۔ اس طرح کوئی فتنہ نہ ہوتا..... (اس پر) حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ اگر انسانی مشورہ (منصوبہ) ہوتا۔ تو میں ایسا ہی کرتا۔

(الفضل جلد ۹ نمبر ۸۶ صفحہ ۹)

(۵۳) حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ جب جموں میں ملازم تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خط میں انہیں لکھا۔ کہ آپ کو اپنی آمد کا چوتھا حصہ جمع کرنا چاہیئے۔ اس سے کم نہیں۔ ہاں اگر کچھ زیادہ جمع کر سکیں۔ تو یہ اور بھی زیادہ بہتر ہے...... اسکی وجہ آپ نے یہی لکھی۔ کہ آپ اپنا روپیہ چونکہ دینی ضروریات پر خرچ کرتے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کل کوئی زیادہ اہم دینی معاملہ پیدا ہو جائے۔ جس کے لئے روپیہ کی فوری ضرورت ہو۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ ابھی سے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیں۔ تا زیادہ ثواب کا موقعہ آنے پر آپ کو یہ رنج نہ ہو۔ کہ کاش میرے پاس روپیہ ہوتا۔ اور میں اسے دین کے لئے دے سکتا۔ (الفضل جلد ۲۵ نمبر ۹ صفحہ ۵)

(۵۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا۔ کہ تیرے سوا اس خاندان کی نسلیں منقطع ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اب اس خاندان میں سے وہی لوگ باقی ہیں۔ جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ اور باقی سب کی نسلیں منقطع ہو گئی ہیں۔

جس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا۔ اس وقت خاندان میں ستّر کے قریب مرد تھے۔ لیکن اب سوائے ان کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی جسمانی یا روحانی اولاد ہیں۔ ان ستّر میں سے ایک کی بھی اولاد نہیں ہے۔

(الفضل جلد ۷ نمبر ۲۸ صفحہ ۵)

(۵۵) پھر حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہؤا۔ اور دکھایا گیا۔ یہ جو مسجد مبارک کے پاس مکان ہے۔ اس میں ہم کچھ حسنی طریق سے داخل ہوں گے۔ اور کچھ حسینی طریق سے۔ بہت لوگ حیران تھے۔ کہ اس الہام کا کیا مطلب ہے۔ اور میں نے خود حضرت صاحب سے سنا۔ آپ فرماتے۔ معلوم نہیں۔ کہ اس الہام کا کیا مطلب ہے۔ لیکن وقت پر ہستے کھلتے ہیں۔

(۵۶) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمانہ میں جبکہ آپ کے ساتھ ایک بھی آدمی نہ تھا۔ فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ تمہاری جماعت اس قدر ترقی کرے گی۔ کہ باقی اقوام دنیا کی اس طرح رہ جائیں گی۔ جس طرح آج کل پرانی خانہ بدوش قومیں ہیں۔ (منہاج الطالبین صفحہ ۶۶)

(۵۷) لدھیانہ میں ایک شخص میر عباس علی تھے۔ وہ حضرت صاحب سے بہت خلوص رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی موجودہ حالت کے متعلق حضرت صاحب کو الہام بھی ہؤا تھا۔ لدھیانہ میں جب حضرت مسیح موعودؑ اور محمدؐ حسین کا مباحثہ ہؤا۔ تو میر عباس علی حضرت صاحب کا کوئی پیغام لے کر گئے۔ ان کے مولوی محمدؐ حسین وغیرہ مولویوں نے بڑے احترام اور عزت سے ہاتھ چومے۔ (اور) کہا۔ آپ آلِ رسول ہیں۔ آپ کی تو ہم بھی بیعت کر لیں۔ لیکن یہ مغل کہاں سے آگیا۔ اگر کوئی مامور آتا۔ تو سادات میں سے آنا چاہیئے تھا۔ پھر کچھ تصوّف وصوفیاء کا ذکر شروع کر دیا۔ میر صاحب کو چونکہ صوفیاء سے بہت اعتقاد تھا۔ مولویوں نے کچھ ادھر ادھر کے قصے بیان کر کے کہا۔ کہ صوفیاء تو اس قسم کے عجوبے دکھایا کرتے تھے۔ اگر مرزا صاحب بھی کچھ ہیں۔ تو کوئی عجوبہ دکھلائیں۔ ہم آج ہی ان کو مان لیں گے۔ مثلاً وہ کوئی سانپ پکڑ کر دکھائیں۔ یا اور کوئی اس قسم کی بات کریں۔ میر عباس علی کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اور جب حضرت صاحب کے پاس آئے۔ تو کہا۔ کہ حضور اگر کوئی کرامت دکھائیں تو سب مولوی مان لیں گے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جب کرامت کا لفظ ان کی زبان سے نکلا۔ تو اسی وقت مجھے یقین ہو گیا۔ کہ بس میر صاحب کو مولویوں نے پھندے میں پھنسا لیا۔ اس پر حضرت صاحب نے ان کو بہت سمجھایا۔ مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ (الفضل جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۵)

(۵۸) میاں نظام الدین صاحب لدھیانوی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بھی دوست تھے۔ اور مولوی محمدؐ حسین صاحب بٹالوی سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور چونکہ وہ وہابی تھے۔ اس لئے مولوی محمدؐ حسین صاحب بٹالوی کی بڑی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب لدھیانہ کے قریب ایک شہر میں گئے۔ اور انہوں نے وہابیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ پھر ایک جلسہ کیا۔ جس میں (حنفیوں) کے خلاف زبردست تقریر کی۔ حنفیوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی۔ کہ مولوی صاحب کی تقریر سے فساد کا سخت خطرہ ہے۔ یہ حنفیوں کو گالیاں نکال رہے ہیں۔ اور اگر انہیں روکا نہ گیا۔ تو آپس میں فساد ہو جائے گا۔ اور کشت و خون تک نوبت پہنچ جائے گی۔ مولوی صاحب تو گھبرا گئے۔ مگر یہ صاحب باوجود ناخواندہ ہونے کے ذہین تھے۔ کہنے لگے۔ مولوی صاحب آپ جائیں۔ میں ان لوگوں کو سنبھال لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کا اعلان کیا۔ اور کچھ دوستوں کو مقرر کر دیا۔ کہ تھانہ کا خیال رکھنا۔ اگر لوگ شکایت کریں۔ اور پولیس آئے۔ تو مجھے اطلاع کر دینا۔ پھر میں دیکھوں گا۔ وہ کس طرح میرے خلاف کوئی بات کرتی ہے۔ انہوں نے پہلے یہ پتہ لگا لیا تھا۔ کہ تھانیدار سکھ ہے۔ چنانچہ وہ حنفیوں کے خلاف زبردست تقریر کرتے رہے۔ اس دوران میں ایک آدمی دوڑا ہؤا آیا۔ اور کہنے لگا۔ تھانیدار صاحب آ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کوئی پروا نہیں۔ وہ تقریر اس موضوع پر کر رہے تھے۔ کہ اہلحدیث میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ مگر چونکہ لوگوں میں مخالفت کا سخت جوش تھا۔ اس لئے تھانہ میں انہوں نے یہ رپورٹ درج کرا دی۔ کہ انہیں روکا جائے۔ ورنہ خون ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ جیسے آج کل ہمارے خلاف لوگ حکومت کو مشتعل کرنے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ احمدی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور بزرگوں کی توہین کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی پولیس کے پاس اس رنگ میں رپورٹ کی۔ اور تھانیدار پولیس کی گارد لے کر پہنچ گئے۔ جس وقت انہیں پتہ لگا۔ کہ تھانیدار صاحب لیکچر گاہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ تو اپنی تقریر کا رخ بدل کر کہنے لگے۔ مسلمانو! تم کہلاتے تو مسلمان ہو۔ مگر کام وہ کرتے ہو۔ جو ہندو اور سکھ بھی نہیں کرتے۔ دیکھو! سکھ مسلمان نہیں۔ مگر ان میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے۔ کہ وہ ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ تم لوگ سکھوں کو بُرا کہتے ہو۔ ان کے ہزار عیب نکالتے ہو۔ مگر اتنا نہیں سوچتے۔ کہ تمہاری ڈاڑھیاں تو منڈی ہوئی ہیں۔ اور سکھوں نے اپنے منہ پر ڈاڑھیاں رکھی ہوئی ہیں۔ پھر خود ہی سوچو۔ کہ سکھ اچھے ہوئے یا تم۔ ہر شخص کہے گا۔ کہ تم مسلمانوں سے سکھ ہزار درجہ اچھے ہیں۔ پھر دیکھو تم حقہ پیتے ہو۔ اور اٹھتے بیٹھتے حقہ کی نڑ تمہارے منہ میں ہوتی ہے۔ جب کسی سے بات کرتے ہو۔ تو تمہارے منہ سے حقہ کی بدبو آتی ہے۔ مگر سکھوں کو دیکھو۔ وہ حقہ کے قریب بھی نہیں جاتے۔ اور ایک سکھ بھی ایسا نہیں ہے۔

جو حقہ پیتا ہو۔ مگر تم ڈاڑھیاں منڈواتے ہو۔ تم حقہ پیتے ہو۔ اور پھر کہتے ہو کہ ہم اچھے ہیں۔ تم سے تو سکھ ہزار درجے اچھے ہیں تھانیدار یہ سنکر کہنے لگا۔ ہیں! مولوی صاحب تو بڑی اچھی تقریر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ سنو! اگر مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی شخص بولا۔ تو میں فوراً ہتھکڑی لگاؤں گا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو اس نے ہدایت کی۔ کہ میں تو اب جاتا ہوں۔ اگر دیکھنا مولوی صاحب کے خلاف اگر کوئی ذرا بھی بولے۔ تو اسے ہتھکڑی لگا لینا۔ یہ کہہ کر وہ تھانے کو چل دیا۔ ادھر وہ جلسہ گاہ سے باہر نکلا۔ اور ادھر مولوی صاحب نے پھر اپنا مضمون شروع کر دیا۔ اس وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلہ میں جو شخص کھڑا تھا۔ وہ آرائیں قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں عام طور پر آرائیں قوم میں یہ رواج تھا۔ کہ ان کی عورتیں شہروں میں جا کر ترکاریاں فروخت کرتی تھیں۔ گو اب خدا کے فضل سے اس میں بہت کچھ اصلاح ہے مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں آرائیں قوم سے تمسخر کرنے شروع کر دیئے۔ اور کہا بڑے مولوی صاحب بنے پھرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ان کی عورتیں مولیوں اور گاجروں کا ٹوکرا سر پہ اٹھائے ہوئے ہر وقت پھر لگاتی رہتی ہیں۔ اور کہتی ہیں "لے لو بھیناں مولیاں۔ لے لو بھیناں گاجراں" وہ لوگ پھر دوڑتے ہوئے تھانیدار کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے۔ مولوی صاحب ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ پھر تھانیدار صاحب کہنے لگے۔ تم سب شرارت کر رہے ہو۔ اگر پھر تم نے مولوی صاحب کے خلاف شکایت کی۔ تو میں تم سب کی خبر لوں گا۔ غرض وہ آدمی بڑے ذہین تھے۔ یوں تو پڑھے لکھے نہیں تھے۔ مگر تقریر بہت اچھی کر سکتے تھے۔ اور ان کا ذہن بہت صاف تھا۔ (الفضل جلد ۲۶ نمبر ۱۳۱ صفحہ ۵)

(۵۹) " ان کا واقعہ ہے۔ کہ وہ ابتدا میں حضرت صاحب کے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ آپ نے یہ کیا فساد مچا رکھا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ میں نے تو کوئی فساد نہیں مچایا۔ البتہ اختلاف ضرور ہے انہوں نے کہا۔ کیا آپ قرآن سے روگردان ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا۔ اچھا پھر آپ اگر یہی کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے۔ اگر قرآن کریم کی سو آیت حیات مسیح کے ثبوت میں آپ کو دکھائی جائے۔ تو آپ مان لیں گے۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ سو کیا اگر ایک آیت سے بھی حضرت مسیح کی زندگی ثابت ہو جائے۔ تو ہم مان لیں گے۔ انہوں نے کہا۔ نہیں ایک میں تو شاید انکار کی گنجائش نکل آئے۔ مگر سو کے بعد تو آپ کو کوئی عذر نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ اگر ایک آیت بھی حضرت مسیح کی حیات ثابت کرے۔ تو میں اپنے عقیدہ کو چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں نے آپ کے متعلق مولویوں سے یہی کہا تھا۔ کہ وہ ایسے آدمی نہیں۔ جو قرآن کریم کو نہ مانتے ہوں۔ لو میں ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ بڑی خوشی سے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ لو اب میں مرزا صاحب سے توبہ کرا آیا ہوں۔ بس تھوڑا سا کام کرو۔ میں نے ان کو کہا تھا۔ کہ سو آیت حضرت مسیح کی حیات کے متعلق لاتا ہوں۔ مگر وہ کہنے لگے۔ ایک ہی ہو۔ تو میں مان لوں گا۔ اس لئے تم کم از کم دس آیتیں نکال دو۔ وہ مان لیں گے۔ مولوی محمد حسین یہ سنکر بہت خفا ہوئے۔ اور کہا کہ تم نے تو کام ہی خراب کر دیا۔ میں تو اتنے عرصہ سے اس کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں۔ اور وہ قرآن کی طرف بلا رہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کیا قرآن سے کوئی ثبوت نہیں ملتا؟ مولوی محمد حسین اس کا تو کوئی جواب نہ دیں۔ اور یہ کہتے جائیں۔ تو بے وقوف ہے۔ یہ بحثیں تو حدیث ہی میں چلتی ہیں۔ تو نے بہت غلطی کی۔ کہ مرزا صاحب سے وعدہ کر آیا۔ کہ میں قرآن کی آیت لاتا ہوں۔ وہ وہاں سے مایوس ہو کر حضرت صاحب کے پاس آئے۔ اور آپؑ کے ہاتھ پہ بیعت کر لی" (الفضل جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۷)

(۶۰) میری پیدائش اور بیعت قریباً ایک ہی وقت سے چلتی ہے۔ اور جب میں نے ہوش سنبھالا۔ اس وقت کئی سال تبلیغ پر گذر چکے تھے۔ لیکن مجھے اپنے ہوش کے زمانہ میں یہ بات یاد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لئے نکلتے۔ تو صرف حافظ حامد علی صاحب ساتھ ہوتے۔ ایک دفعہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس طرف سیر کے لئے آنا یاد ہے۔ میں اس وقت چونکہ چھوٹا بچہ تھا۔ اس لئے میں نے اصرار کیا۔ کہ میں بھی سیر کے لئے چلوں گا۔ اس زمانہ میں یہاں جھاؤ کے پودے ہوا کرتے تھے۔ اور یہ تمام علاقہ جہاں اب تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ بورڈنگ اور مسجد وغیرہ ہے۔ ایک جنگل تھا۔ اور اس میں جھاؤ کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوا کرتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرف سیر کے لئے تشریف لائے۔ اور میرے اصرار پر مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ مگر تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ میں تھک گیا ہوں۔ اس پر کبھی مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھاتے۔ اور کبھی حافظ حامد علی صاحب۔ اور یہ نظارہ مجھے آج تک یاد ہے۔ تو وہ ایسا زمانہ تھا۔ کہ گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ تھا۔ مگر آپ کے ماننے والے بہت قلیل لوگ تھے۔ اور قادیان میں آنے والا تو کوئی کوئی تھا۔ (الفضل جلد ۱۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۷)

(۶۱) اس زمانہ میں لوگوں کو قادیان میں آنے سے روکا جاتا۔ اور عجیب عجیب طریق سے روکا جاتا۔ ایک دوست نے سنایا۔ ایک مولوی صاحب کہہ رہے تھے۔ وہاں جادو کر دیتے ہیں۔ اور جاتے ہی حلوا دیتے ہیں۔ جو کھالے۔ وہ پھنس جاتا ہے۔ میں جب گیا۔ تو مجھے بھی دیا گیا۔ مگر میں نے نہ کھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد مرزا صاحب فٹن میں مجھے اور مولوی نورالدین صاحب کو بٹھا کر سیر کو لے چلے۔ اپنی باتیں بتانے لگے۔ اور کہا۔ نبی مانو خاتم النبیین مانو۔ میں نے لاحول پڑھا۔ تو حیران رہ گئے۔ اور مولوی نورالدین صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا اسے حلوا نہیں کھلایا؟ انہوں نے کہا۔ کھلایا تو تھا۔ شاید اثر نہیں ہوا۔

مولوی صاحب کی یہ باتیں سنکر ایک معزز غیر احمدی بول اٹھا۔ مولوی صاحب میں غیر احمدی ہوں۔ مگر یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں۔ بالکل جھوٹ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ وہاں تو یکہ بھی نہیں چل سکتا۔ کجا یہ کہ فٹن پر بٹھا کر آپ کو سیر کرانے کے لئے لے گئے۔ (الفضل جلد ۱۵ نمبر ۸۲ صفحہ ۷)

(۶۲) ایک زمانہ تھا۔ کہ یہاں احمدیوں کو مسجدوں میں نہیں جانے دیا جاتا تھا۔ مسجد کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ چوک میں کیلے گاڑ دیئے گئے۔ تا نماز پڑھنے کے لئے جانے والے گریں۔ اور کنوئیں سے پانی نہیں بھرنے دیا جاتا تھا۔ بلکہ یہاں تک سختی کی جاتی تھی۔ کہ کمہاروں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ کہ احمدیوں کو برتن بھی نہ دیں۔ ایک زمانہ میں یہ ساری مشکلات تھیں۔ مگر اب وہ لوگ کہاں ہیں۔ ان کی اولادیں احمدی ہو گئی ہیں۔ اور وہی لوگ جنہوں نے احمدیت کو مٹانے کی کوشش کی۔ ان کی اولاد اسے پھیلانے میں مصروف ہے۔ یہی مدرسہ جس جگہ واقع ہے۔ یہاں پرانی روایات کے مطابق جن رہا کرتے تھے۔ اور کوئی شخص دوپہر کے وقت بھی اس راستہ سے اکیلا نہ گزر سکتا تھا۔ اب دیکھو۔ وہ جن کس طرح بھاگے۔

.... مجھے یاد ہے۔ اس (ہائی سکول والے) میدان سے جاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک رؤیا سنایا تھا۔ کہ قادیان بیاس تک پھیلا ہوا ہے۔ اور شمال کی طرف بھی بہت دور تک اسکی آبادی چلی گئی ہے۔ اس وقت یہاں صرف آٹھ دس گھر احمدیوں کے تھے۔ اور وہ بھی بہت تنگدست۔ باقی سب بطور مہمان آتے تھے۔ لیکن اب دیکھو۔ خداتعالےٰ نے کس قدر ترقی اسے دی ہے۔" (الفضل جلد ۱ نمبر ۵۹ صفحہ ۶ الیضاً ۲/۱۸ صفحہ ۳)

(۶۳) میری عمر تو چھوٹی تھی۔ لیکن وہ نظارہ اب بھی یاد ہے۔ جہاں اب مدرسہ (احمدیہ) ہے۔ وہاں ڈھاب ہوتی تھی۔ ورلا حصہ جہاں اب بازار پڑا ہے۔ وہاں روڑیاں پڑی ہوتی تھیں۔ اور میلے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔ اور مدرسہ کی جگہ لوگ دن کو نہیں جایا کرتے تھے۔ کہ اس جگہ آسیب ہو جاتا ہے۔ قادیان کے لوگ سمجھتے تھے۔ کہ یہ آسیبی جگہ ہے۔ اول تو کوئی وہاں جاتا نہیں تھا۔ اور جو جاتا بھی تو اکیلا کوئی نہ جاتا تھا۔ بلکہ دو تین مل کر جاتے۔ کیونکہ ان کو خیال تھا۔ کہ یہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ جن چڑھتا تھا یا نہیں۔ بہرحال یہ جگہ ویران تھی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ویران جگہوں کے متعلق ہی لوگوں کا خیال ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ پھر میرے تجربہ کے تو باہر تھا۔ لیکن بہت سے آدمی بیان کرتے ہیں۔ کہ قادیان کی یہ حالت تھی۔ کہ دو تین روپے کا آٹا بھی یہاں سے نہیں ملتا تھا۔ آخر یہ گاؤں تھا۔ زمیندارہ طرز کی یہاں رہائش تھی۔ اپنی اپنی ضرورت کے لئے لوگ خود ہی پیس لیا کرتے تھے۔ یہ تو ہمیں بھی یاد ہے۔ کہ ہمیں جب کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی آدمی کو لاہور یا امرتسر بھیجا کرتے تھے۔ پھر آدمیوں کا یہ حال تھا کہ کوئی ادھر آتا نہ تھا۔ برات وغیرہ پر کوئی مہمان اس گاؤں میں آ جائے تو آ جائے۔ لیکن عام طور پر کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں۔ کہ میں چھوٹا سا تھا۔ حضرت صاحب سیر کو جایا کرتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھی اصرار کرتا۔ تو حضرت صاحب مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ مجھے یاد ہے۔ برسات کا موسم تھا۔ ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا۔ میں اسے پھلانگ نہ سکا۔ تو مجھے خود اٹھا کے آگے کیا گیا۔ پھر کبھی شیخ حامد علی صاحب اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اٹھا لیتے۔ اس وقت نہ کوئی مہمان تھا۔ اور نہ یہ مکان تھے۔ کوئی ترقی نہ تھی۔ مگر ایک رنگ میں یہ بھی ترقی کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس وقت حافظ حامد علی صاحب آ چکے تھے۔ اس سے بھی پہلے جبکہ قادیان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی شخص نہ جانتا تھا۔ خداتعالےٰ نے یہ وعدہ کیا۔ کہ تیرے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے۔ اور دور دور سے تحائف لائیں گے۔

(الفضل جلد ۱۴ نمبر ۳۵ صفحہ ۷)

(۶۴) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعویٰ کیا۔ تو آپ کے رشتہ داروں میں سے بھی ایک شخص نے امام ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مگر کہتے ہیں۔ مگر ہر کس

رحمت اوست۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
یہ دعویٰ کیا۔ کہ میں ساری دنیا کے لئے حکم بنا کر
گیا ہوں۔ اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کے لئے ہی
۔ بلکہ بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی فرض ہے۔
اتباع کریں۔ لیکن اسکی نام ہی رکھنے والی بات
اس نے دعویٰ تو کیا۔ گر چوہڑوں کے امام ہونے کا۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا۔ تو یہاں
لکھ دیا۔ کہ بادشاہ انگلستان پر بھی فرض ہے۔ کہ
مانے۔ چنانچہ خود لکھ کر ملکہ کو جو اس وقت بادشاہ
بھیج دیا۔ اس کے مقابلہ میں چوہڑوں کا امام ہونے
دعویٰ کرنے والے کی دلیری اور جرأت کا یہ حال
کہ یہاں آ کر جب تھانیدار نے اس سے پوچھا۔ کہ کیا
کوئی دعویٰ کیا ہے۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں نے تو کوئی
نہیں کیا۔ کسی نے یونہی جھوٹی رپورٹ کر دی ہوگی۔
الفضل جلد ۷ نمبر ۲۸ صفحہ ۔)

(۶۷) اس وقت (دعویٰ کے ابتدائی ایام میں) قادیان
حالت تھی۔ کہ اسکی آبادی دو ہزار کے قریب تھی۔
سے چند ایک پختہ مکانات کے باقی سب مکانات
تھے۔ مکانوں کا کرایہ اتنا گرا ہوا تھا کہ چار پانچ آنہ
پر مکان کرایہ پر مل جاتا تھا۔ مکانوں کی زمین اسقدر
تھی۔ کہ دس بارہ روپیہ کو قابل رہائش مکان بنانے
کے زمین مل جاتی ... کا یہ حال تھا۔ کہ دو تین
... مکان ایک وقت میں نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ لوگ
... خود دانے پیس کر روٹی پکاتے
... ایک مدرسہ سرکاری تھا۔ جو پرائمری
... اور ... مدرسہ ... تک اللہ کس سے کر ڈاکخانہ
... ایک ہفتہ میں دو دفعہ آتی تھی۔
... قصبہ کے اندر تھیں۔ (دعوت الامیر صفحہ ۲۱۴)

(۶۸) آج دسمبر ۱۹۳۶ء سے قریباً چالیس سال
اسی جگہ پر جہاں اب مدرسہ احمدیہ کے لڑکے
... ہیں۔ ایک ... فصیل ہوا کرتی تھی۔ ہمارے
آباء و اجداد کے زمانہ میں قادیان کی حفاظت کے لئے وہ
فصیل بنی ہوئی تھی۔ جو خاصی چوڑی تھی۔ اور ایک
اس پر چل سکتا تھا۔ پھر انگریزی حکومت نے جب
... اکر نیلام کر دیا۔ تو اس کا کچھ ٹکڑا حضرت مسیح
موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمانخانہ بنانے کی نیت سے
تھا۔ وہ ... لمبی چلی جاتی تھی۔"

(۶۹) آج (۱۹۳۱ء) چالیس سال پہلے ہماری
... کی کیا حالت تھی۔ اس کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے
جنہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ زمانہ دیکھا ہے۔ جس
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ
اس وقت میں بچہ تھا۔ دو پونے دو سال کی عمر ہوگی
اس وقت کے حالات تو میں نہیں بتا سکتا۔ گر چھ سال
سے میں سلسلہ کے حالات دیکھتا آ رہا ہوں۔ اور آتھم
... سے میں سلسلہ کے حالات جانتا ہوں۔ بلکہ اس
... کچھ پہلے کے حالات۔ جب میری عمر پانچ ساڑھے
سال کی تھی۔ اس وقت کے مجھے بعض واقعات یاد
دشمنوں کی شرارتیں یاد ہیں۔ ان کے منصوبے یاد

ہیں۔ ان کی وہ کوششیں یاد ہیں۔ جو ہمارے خلاف شب و
روز کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ کے تمام واقعات میرے ذہن
میں اس وقت تک ایسی صورت میں جمع ہیں۔ جس طرح
غبار کے پیچھے سے کوئی چیز نظر آتی ہو۔

مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے۔ جب ہمیں اپنے گھروں سے
نکلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ کیونکہ خطرہ تھا۔ کہ دشمن کسی قسم کی
تکلیف نہ پہنچا ئیں۔ اس زمانہ میں ہمیں گھروں میں یوں بند
رکھا جاتا۔ جیسے کہتے ہیں پرانے زمانوں میں بعضوں کو بھورے
میں سالہا سال تک رکھا جاتا تھا۔ ہمیں نہایت سختی سے
کہا جاتا۔ کہ کہیں سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لینا۔ مبادا اس
میں کسی دشمن کی شرارت ہو۔" الفضل جلد ۱۸ نمبر ۱۴۳ صفحہ ۶)

(۷۰) "ہمارے تمام بڑے لوگ بھی حضرت صاحب
کی بھاوجہ کو تائی کے لقب سے پکارتے تھے۔ گویا ان کا نام
ہی تائی تھا۔ سلسلہ کی کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ
محمدی بیگم کی پیشگوئی کے زمانہ میں وہ اشد ترین مخالف
تھیں۔ چونکہ وہ خاندان میں سب سے بڑی تھیں۔ اور پیشگوئی
بھی ان کی بہن کی بیٹی کے متعلق تھی۔ اس لئے خاندان کی لیڈر
(ہونے) کے لحاظ سے اس وقت وہ اس رشتہ میں روک
ڈالنا جس کو وہ خاندانی رسوائی کے مترادف سمجھتی تھیں۔ اپنا
فرض سمجھتی تھیں۔ اور ان کے نزدیک ان کا اہم فرض تھا۔
کہ وہ مقابلہ کریں۔ عورتوں کی فطرت کے لحاظ سے بہت بڑی
عورت کے لئے عزت اور خاندانی وقار تمام دینی امور
بلکہ تمام سیاسیات اور دیگر حالات سے زیادہ اہم سمجھا
جاتا ہے۔ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کا مسیح ہونے کا
دعویٰ ان کے نزدیک اس قدر اہم نہیں تھا۔ جس قدر خاندانی
عزت تھی۔ اور یوں بھی چونکہ بڑوں کے لئے چھوٹوں کی اطاعت
مشکل ہوتی ہے۔ اور مسیح موعودؑ تائی صاحبہ سے چھوٹے تھے۔
اور انہوں نے جائیداد وغیرہ میں حصہ بھی نہیں لیا تھا۔ اس
لئے آپ کا کھانا وغیرہ ان کے ہی گھر سے جاتا تھا۔ اس لحاظ
سے بھی وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کی محسنہ سمجھتی تھیں
عورتوں میں یہ احساس قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ
حضرت مسیح موعودؑ کو اپنا دست نگر تصور کرتی تھیں۔ حضرت
مسیح موعودؑ اپنے ایک عربی شعر میں فرماتے ہیں۔ ؎

لفاظات الموائد کان اُکلی
وصرت الیوم مطعام الاھالی

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک زمانہ تھا۔ جب میں دوسروں
کے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرتا تھا۔ مگر اب خدا نے مجھے ایسی
شان عطا کی ہے۔ کہ ہزاروں ہیں۔ جو میرے دستر خوان
سے سیر ہوتے ہیں۔

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ حضرت
اقدسؑ کی جائیداد علیحدہ نہیں تھی۔ بھائی کے ہی سپرد تھی۔
اور آپ میں اس کے سنبھالنے کا احساس بھی نہیں تھا۔ چنانچہ
آپ کے والد بھی کہا کرتے تھے۔ کہ یہ جائیداد نہیں سنبھال سکے گا۔
پس ان دنوں حالات تائی صاحبہ کا ایمان لانا بڑا مشکل امر
تھا۔ دلیل اور مذہبی پہلو سے نہیں۔ بلکہ خاندانی لحاظ سے۔
کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کی حیثیت آقا و نوکر کی تھی۔ وہ
آپ کو ایک غریب آدمی سمجھتی تھیں۔ جو کام وغیرہ کچھ نہیں
کرتا تھا۔ اور ان کے ٹکڑوں پر پلا تھا۔ ان حالات میں وہ

کبھی گوارا نہ کر سکتی تھیں۔ کہ آپ ان کی بہن کی لڑکی کے ساتھ نکاح
کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ وہ چونکہ سب سے بڑی تھیں۔ اس لئے
خصوصیت کے ساتھ مخالف تھیں۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ
کی مخالفت بہت زیادہ تھی۔ رشتہ داروں نے آپؑ سے ملنا ترک
کر دیا تھا۔ اور آپ بھی ان سے نہیں ملتے تھے۔ بلکہ خاندان والوں
کا یہ عالم تھا۔ کہ والدہ صاحبہ سناتی ہیں۔ حضرت صاحب کے ننہال
میں ایک بڑی عمر کی عورت تھیں۔ وہ بین ڈالا کرتی تھیں۔ کہ چراغ بی بی
کے لڑکے کو کوئی دیکھنے بھی نہیں دیتا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو چور اور
ڈاکوؤں کی طرح علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کو خاندانی عزت
کو بٹہ لگانے والا سمجھا جاتا تھا۔" (الفضل جلد ۱۵ نمبر ۷۴ صفحہ ۸)

(۷۱) دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں
کتنا عظیم الشان نشان دکھایا ہے۔ مگر تم نے اس زمانہ کو نہیں پایا۔ مگر
ہم نے اسے پایا اور دیکھا ہے۔ پس اس قدر قریب کے زمانہ کے
نشانات کو اپنے خیال کی آنکھوں سے دیکھنا تمہارے لئے کوئی زیادہ
مشکل نہیں۔ اور نشانات جانے دو۔ مسجد مبارک کو ہی دیکھو۔ مسجد
مبارک میں ایک ستون مغرب سے مشرق کی طرف کھڑا ہے۔ اس
کے شمال میں جو حصہ مسجد کا ہے۔ یہ اس زمانہ کی مسجد تھی۔ اور اس
میں نماز کے وقت کبھی ایک اور کبھی دو سطریں ہوتی تھیں۔ ایک دو دو
کھڑکیوں والی جگہ میں جہاں آج کل پہرہ دار کھڑا ہوتا ہے۔ اس حصہ
میں امام کھڑا ہوا کرتا تھا۔ پھر جہاں اب ستون ہے۔ وہاں ایک
اور دیوار تھی۔ اور ایک دروازہ تھا۔ اس حصہ میں صرف دو قطاریں
نمازیوں کی کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اور فی قطار غالباً پانچ سات آدمی
کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس حصہ میں اس وقت کبھی ایک قطار نمازیوں
کی ہوتی۔ اور کبھی دو ہوتی تھیں۔ مجھے یاد ہے۔ جب اس حصہ مسجد میں
نمازی کھڑے ہوتے۔ تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہتی تھی۔ گویا
جب پندرھواں یا سولہواں نمازی آیا۔ تو ہم حیران ہو کر کہنے لگے۔ کہ اب
تو بہت لوگ نماز میں آتے ہیں۔ تم نے غالباً غور کر کے وہ جگہ نہیں دیکھی
ہوگی۔ مگر وہ ابھی تک موجود ہے۔ جاؤ اور دیکھو۔ صحابہؓ کا طریق تھا
کہ وہ پرانی باتوں کو کبھی کبھی عملی رنگ میں قائم کر کے بھی دیکھا کرتے
تھے۔ اس لئے تم بھی جا کر دیکھو۔ اس حصہ کو الگ کر دو۔ جہاں امام کھڑا
ہوتا تھا۔ اور پھر وہاں فرضی دیواریں قائم کرو۔ اور پھر جو باقی جگہ
بچے۔ اس میں جو سطریں ہوں گی۔ ان کا تصور کرو۔ اور اس میں تیسری
سطر قائم ہونے میں ہمیں جو حیرت ہوئی۔ کہ کتنی بڑی کامیابی ہے۔
اس کا قیاس کرو۔ اور پھر سوچو۔ کہ خدا تعالیٰ کے فضل جب نازل
ہوں۔ تو کیا سے کیا کر دیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے۔ ہمارا ایک کچا کوٹھا
ہوتا تھا۔ اور بچپن میں کبھی کھیلنے کے لئے ہم اس پر چڑھ جایا کرتے
تھے۔ اس پر چڑھنے کے لئے جن سیڑھیوں پر ہمیں چڑھنا پڑتا تھا۔
وہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس) یہ چڑھتی
تھیں۔ اس وقت ہماری تائی صاحبہ جو بعد میں احمدی بھی ہو گئیں۔ بیٹھے
دیکھ کر کہا کرتی تھیں۔ کہ "جیہو جیہا کاں اوہو جیہی کوکو" میں بوجہ اس کے
کہ میری والدہ ہندوستانی ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ بچپن میں زیادہ
علم نہیں ہوتا۔ اس پنجابی فقرہ کے معنے نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ
میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے اس کے متعلق پوچھا۔ کہ اس کا کیا مطلب ہے۔
تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ جیسے کوا ہوتا ہے۔ ویسے
اس کے بچے ہوتے ہیں۔ کوّے سے مراد (نعوذ باللہ) تمہارے ابا میں۔ اور
کوکو سے مراد تم ہو۔ پھر میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے۔ کہ وہی تائی صاحبہ
اگر میں کبھی ان کے ہاں جاتا۔ تو بہت عزت سے پیش آتیں۔ میرے لئے گدا
بچھاتیں۔ اور احترام سے بٹھاتیں۔ اور ادب سے متوجہ ہوتیں۔ اور اگر میں کہتا۔ کہ

(۷۰) آج (دسمبر ۱۹۳۶ء) سے قریباً چالیس سال پہلے اس جگہ پر جہاں اب مدرسہ احمدیہ کے لڑکے پڑھتے ہیں۔ ایک ٹوٹی پھوٹی فصیل ہوا کرتی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانہ میں قادیان کی حفاظت کے لئے وہ کچی فصیل بنی ہوئی تھی۔ جو خاصی چوڑی تھی۔ اور ایک گڈا اس پر چل سکتا تھا۔ پھر انگریزی حکومت نے جب اسے تڑوا کر نیلام کر دیا۔ تو اس کا کچھ ٹکڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمان خانہ بنانے کی نیت سے لے لیا تھا۔ وہ ایک زمین لمبی سی چلی جاتی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت ۱۸۹۳ء تھا ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء۔ قریباً اسی قسم کا زمانہ تھا۔ یہی دن تھے۔ یہی موسم تھا۔ یہی دسمبر کا مہینہ تھا۔ کچھ لوگ جو ابھی احمدی نہیں کہلاتے تھے۔ کیونکہ ابھی احمدی نام سے جماعت یاد نہیں کی جاتی تھی۔ مگر یہی مقاصد اور یہی مدعا لے کر وہ قادیان میں جمع ہوئے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ آیا وہ ساری کارروائی اسی جگہ ہوئی۔ یا کارروائی کا بعض حصہ اسجگہ ہوا۔ اور بعض مسجد میں۔ کیونکہ میری عمر اس وقت سات آٹھ سال کی ہوگی۔ اس لئے میں زیادہ تفصیلی طور پر اس بات کو یاد نہیں رکھ سکا۔ میں اس وقت اس اجتماع کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تھا۔ مجھے اتنا یاد ہے۔ کہ میں وہاں جمع ہونے والے لوگوں کے اردگرد دوڑتا اور کھیلتا پھرتا تھا۔ میرے لئے اس زمانہ کے لحاظ سے یہ اچنبھے کی بات تھی۔ کہ کچھ لوگ جمع ہیں۔ اس فصیل پر ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اردگرد وہ دوست تھے۔ جو جلسہ سالانہ کے اجتماع کے نام سے جمع تھے۔ ممکن ہے۔ میرا حافظہ غلطی کرتا ہو۔ اور دری ایک نہ ہو۔ دو ہوں۔ لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ایک ہی دری تھی۔ اس دری پر کچھ لوگ بیٹھے تھے ڈیڑھ سو ہوں گے یا دو سو۔ بچے ملا کر ان کی فہرست اڑھائی سو کی تعداد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شائع بھی کی تھی۔۔۔۔ میں خیال کرتا ہوں۔ وہ ایک دری تھی یا دو دریاں۔ بہر حال ان کے لئے اتنی ہی جگہ تھی۔ جتنی اس (جلسہ سالانہ ۱۹۳۶ء کی) سٹیج کی جگہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کیوں۔ مگر میں اتنا جانتا ہوں۔ کہ وہ دری تین جگہ بدلی گئی۔ پہلے ایک جگہ بچھائی گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے تبدیل کر کے ایک اور جگہ بچھائی گئی۔ اور پھر تیسری دفعہ اس جگہ سے بھی اٹھا کر کچھ اور دور وہ دری بچھائی گئی۔ اپنی بچپن کی عمر کے لحاظ سے میں نہیں کہہ سکتا۔ آیا ان جمع ہونے والوں کو لوگ روکتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ تمہارا حق نہیں۔ کہ اسجگہ دری بچھاؤ۔ یا کوئی اور وجہ تھی۔ بہر حال مجھے یاد ہے۔ کہ دو تین دفعہ اسی دری کی جگہ بدلی گئی۔" (الفضل جلد ۲۴ نمبر ۱۴۵ صفحہ ۳-۴)

(۷۱) ہمارے درجنوں ایسے رشتہ دار ہیں۔ جو احمدیت کی وجہ سے منقطع ہوگئے۔ اسواسطے نہیں۔ کہ ہم ان سے نہیں ملنا چاہتے۔ بلکہ اس واسطے کہ وہ نہیں ملنا چاہتے۔ ہمیں اپنے خاندان کے لوگوں سے گالیاں ملتی تھیں۔ ہماری تائی صاحبہ جو بعد میں احمدی ہوگئیں۔ وہ ہم کو بُرا بھلا کہتی تھیں۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ جبکہ میری عمر ۶-۷ سال کی ہوگی۔ میں سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا۔ تو انہوں نے میری طرف دیکھ کر بار بار یہ کہنا شروع کیا۔ "جیہو جیہا کاں اوہو جیہی کوکو" اس فقرہ کو انہوں نے اتنی دفعہ دوہرایا۔ کہ مجھے یاد ہوگیا۔ میں نے گھر میں جاکر یہ بات بتلائی اور پوچھا۔ کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ تو انہوں نے بتایا۔ جیسا باپ بُرا ہے۔ ویسا ہی بیٹا بھی بُرا ہے۔ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بائیکاٹ کیا گیا۔ لوگوں کو آپ کے گھر کا کام کرنے سے روکا جاتا۔ کمہاروں کو روکا گیا۔ چوہڑوں کو صفائی سے روکا گیا۔ ہمارے عزیز ترین بھائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھاوج اور دیگر عزیز رشتہ دار حتّٰی کہ آپ کے ماموں زاد بھائی علی شیر یہ سب طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ گجرات کے علاقہ کے کچھ دوست جو سات بھائی تھے۔ قادیان میں آئے۔ اور باغ کی طرف اس واسطے گئے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ راستہ میں ہمارے ایک رشتہ دار باغیچہ لگوا رہے تھے۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا۔ کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟ - [له] انہوں نے جواب میں کہا۔ دیکھو میں ان کے ماموں کا لڑکا ہوں میں خوب جانتا ہوں۔ یہ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ ان میں سے ایک نے جو دوسروں سے آگے تھا۔ بڑھ کر اسکو پکڑ لیا۔ اور اپنے بھائیوں کو آواز دی۔ کہ جلدی آؤ۔ اس پر وہ شخص گھبرایا۔ تو اس احمدی نے کہا۔ میں تمہیں مارتا نہیں۔ کیونکہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار ہو۔ میں اپنے بھائیوں کو تمہاری شکل دکھانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ہم سنا کرتے تھے۔ کہ شیطان نظر نہیں آتا۔ مگر آج ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ وہ ایسا ہوتا ہے۔"

(الفضل جلد ۲۳ نمبر ۱۳۲ صفحہ ۳-۴)

(۷۲) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوانی کے دوست تھے۔ اور جو ہمیشہ آپ کے مضامین کی تعریف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس دعویٰ کے معًا بعد یہ اعلان کیا۔ کہ میں نے ہی اس شخص کو اٹھایا تھا۔ اور اب میں ہی اسے تباہ کردوں گا۔ [سے۲]..... پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے رشتہ داروں نے اعلان کر دیا۔ بلکہ بعض اخبارات میں یہ اعلان چھپوا بھی دیا۔ [سے۳] کہ اس شخص نے دوکانداری چلائی ہے۔ اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اور اس طرح ساری دنیا کو انہوں نے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔ پھر یہ میرے ہوش کی بات ہے۔ کہ بہت سے کام کرنے والے لوگوں نے جو زمیندارہ انتظام میں کمیں کہلاتے ہیں۔ آپ کے گھر کے کاموں سے انکار کر دیا۔ اس کے محرک دراصل ہمارے رشتہ دار ہی تھے۔ غرض اپنوں اور بیگانوں نے مل کر آپ کو مٹانا اور آپ کو تباہ اور برباد کر دینا چاہا۔ (الفضل جلد ۲۸ نمبر ۲۵۸ صفحہ ۳)

(۷۳) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی تعریف کی۔ اتنی تعریف کی۔ کہ اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک پُرجوش مرید آپ کی تعریف کر رہا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ پر انہوں نے جو ریویو کیا۔ اس میں لکھا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تیرہ سو سال کے عرصہ میں کسی شخص نے بھی اپنے قول اور عمل سے اسلام کی اتنی خدمت نہیں کی۔ جتنی حضرت مرزا صاحب نے کی ہے۔ مگر پھر وہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے۔ جنہوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور تمام ہندوستان میں آپ کی مخالفت کی آگ بھڑکائی۔ محض اس لئے کہ میری ہتک ہوئی ہے۔ مجھ سے اپنے دعویٰ کے متعلق حضرت صاحب نے مشورہ کیوں نہیں کیا۔

اور دراصل پہلا غصہ انہیں آپ پر یہی تھا۔ چنانچہ جب کسی شخص نے انہیں بتایا۔ کہ آپ ایسی کتاب لکھ رہے ہیں۔ جس میں وفات مسیح کا ذکر آتا ہے۔ تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کہنے لگے۔ کہ ہم سے تو انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ پھر اس غصہ میں وہ سارے ہندوستان میں پھرے۔ اور آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور کہا۔ کہ میں نے ہی اس شخص کو اونچا کیا تھا۔ اور اب میں ہی اسے نیچے گراؤں گا۔ [سے۴] مگر نتیجہ کیا نکلا۔ انہوں نے اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے لئے ہاؤ وہو کا شور بھی مچالیا۔ آپ کو گالیاں بھی دی گئیں۔ آپ کو بُرا بھلا بھی کہا گیا۔ آپ کے خلاف لوگوں کو مشتعل بھی کیا گیا۔ مگر آخر فتح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہی حاصل ہوئی۔"

(الفضل جلد ۲۵ نمبر ۲۱۱ صفحہ ۶)

(۷۴) ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک شخص آیا۔ اور آپ کو آتے ہی گالیاں دینے لگ گیا۔ اور جب خوب گالیاں دے چکا۔ اور بیٹھ گیا۔ تو آپؑ نے فرمایا۔ تسلی ہو گئی۔ یا کچھ اور بھی باقی ہے؟

(الفضل جلد ۱۸ نمبر ۱۱۱ صفحہ ۱۷)

(۷۵) اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے تھے۔ وہاں رستہ میں ایک شخص نے آپ کو دھکا دے دیا۔ لوگ اسکو مارنے لگے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ اسے کچھ نہ کہو۔ اس نے تو اپنے اخلاص سے دھکا دیا ہے۔ وہ دراصل مدعی نبوت تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے سمجھا ہے۔ کہ ہم ظالم ہیں۔ اور اس کا حق مار رہے ہیں۔ اس لئے اس نے دھکا دے دیا۔ پیغمبر اسنگھ جو یہاں آیا کرتے تھے۔ ان کا وہ بھائی تھا۔ وہ سنایا کرتے تھے۔ کہ میرا بھائی بعد میں ساری عمر شرمندہ رہا۔ اور کہتا تھا۔ مجھ سے سخت غلطی ہوئی۔ کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو دھکا دیا۔ تو اخلاقی نمونہ کا اثر پاگلوں پر بھی ہو جاتا ہے۔ صحیح عقل والوں پر کیوں نہ ہوگا۔ (الفضل جلد ۱۸ نمبر ۱۱۱ صفحہ ۷)

سے۱ اس کا نام مرزا علی شیر بیگ تھا۔ یہ حضور علیہ السلام کا سالہ بھی تھا۔ اور سمدھی یعنی مرزا فضل احمد صاحب کا خُسر بھی تھا۔

سے۲ رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۱ ۱۸۹۰ء صفحہ ۵ کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۹۶ و ۴۹۷ مصنفہ پنڈت لیکھرام میں بھی مرزا امام الدین صاحب کا ایک نہایت ہی معاندانہ اشتہار درج ہے۔ جو حضور کے خلاف لکھ کر ملک میں پھیلایا گیا تھا۔ خاکسار مرتّب۔

سے۴ ان کے اور باقی علماء کے فتاویٰ کے لئے دیکھئے رسالہ اشاعۃ

۲۶ مئی کی یاد!

آج پھر چھبیس[۲۶] مئی کی یاد نے تڑپا دیا
داغِ حسرت سینۂ مجروح میں چمکا دیا

آتشِ ہجرت کو شعلہ زن کیا بھڑکا دیا
جسم کو بے چین کر کے روح کو تڑپا دیا

پھر گئی تصویر آنکھوں میں زمانِ پاک کی
اور تصوّر نے مجھے دربار میں پہنچا دیا

السّلام اے احمدِ مرسل۔ امامِ کامگار
جس نے جلوہ حق و حکمت کا ہمیں دکھلا دیا

السلام اے قدرتِ ربِّ قدیر و کردگار
تھام کر گرتے ہوؤں کو تختِ عزت کا دیا

السلام اے مہدئ موعود شاہِ نامدار
آپ نے رستہ ہدایت کا ہمیں بتلا دیا

السلام اے ساقئ خمخانۂ توحیدِ حق
خلق کو مستِ مئے حُبِّ نبی فرما دیا

السّلام اے کاشفِ اسرارِ قرآن و حدیث
کیا بتاؤں ہم کو آپ نے کیا کیا دیا

صوفی و ملّا نے جو جو مسئلہ الجھایا تھا
آپ نے سلجھا دیا اچھی طرح سمجھا دیا

کھول کر گنجینۂ عرفاں لٹایا بے حساب
جھولیاں بھر بھر کے لے آئے سبھی اتنا دیا

آپ نے جو کچھ بھی سکھلایا وہ ہم بھولے نہیں
مشرق و مغرب میں ہم نے بھی اسے پھیلا دیا

یاد آتی ہیں مگر رہ رہ کے باتیں پیار کی
گردشِ گردونِ گرداں نے یہ کیا پلٹا دیا

یعنی ہم پیچھے رہے اور آپ آگے چل دیئے
دردِ فرقت نے وہ تڑپایا کہ دل کلپا دیا (برما)

پھر بھی یہ فضلِ خدا ہے آنحضرت جھوڑ پر
قدرتِ ثانی کا منظر جلد ہی دکھلا دیا

ظلمتیں کافور ہو کر رہ گئیں سب کفر کی
چار سُو ہے ضوفشاں وہ چاند سا بیٹا دیا

اکمل اندوہگیں کو ہو چکے پینتیس[۳۵] سال
حاضری کا صبح و شام اسکو شرف مولیٰ دیا

خاک آنکھوں پر لگا لیتا ہوں فرطِ شوق سے
سرمۂ نورِ نظر میرے لیئے اچھا دیا

جی میں آتا ہے یہیں رہ جاؤں ملکر مٹی میں
کہہ سکوں دیکھو مجھے میرا صلہ کیسا دیا

اے خدا کے پاک مرسل آپ پر لاکھوں سلام
بھیجتے ہیں ساکنانِ بحر و بر لاکھوں سلام

(اکمل)

سلام بحضور امامؑ

السلام اے عیسئ گردوں مقام
السلام اے مہدئ ذی احترام

السلام اے کعبۂ دل کے خلیل
السلام اے مظہرِ نُورِ جلیل

السلام اے منبعِ جود و کرم
السلام اے میرے سلطان القلم

السلام اے یوسفِ کنعانِ دیں
السلام اے رُوحِ رُوح و جانِ دیں

السلام اے یادگارِ اسحاق کے
السلام اے شہریارِ آفاق کے

السلام اے مالکِ ملکِ عظام
السلام اے سالکِ راہِ کرام

السلام اے اہلِ فارس کے نصیب
السلام اے اپنے مولیٰ کے حبیب

السلام اے آدمِ آخر زماں
السلام اے عالمِ معجز بیاں

السلام اے حجۃ اللہ السلام
السلام اے ناقۃ اللہ السلام

السلام اے روئے احمدؐ کے جمال
السلام اے شانِ سرمد کے جلال

السلام اے نوحِ طوفانِ ضلال
السلام اے کشتی بانِ بے مثال

تو وہی ہے مومنوں کا پاک امام
جس کو پیغمبرؐ نے بھیجا ہے سلام

اے امامِ اوّلین و آخریں
ہمسر تیری مجھ سے ہو سکتی نہیں

تُو نے ہی مُردوں کو ہے زندہ کیا
سامنے آئے کوئی؟ یہ کہہ دیا

تو وہی موعود ہے حق کی قسم
اولیا کے سر پہ ہے تیرا قدم

نقدِ جاں حاضر کیا با صد شغف
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

بس یہی ہے التجا لیل و نہار
جانِ اکمل تیرے قدموں پر نثار

ترقی کر رہا ہے کون قادیان کی طرح
کسی نے ڈالی ہے کیا یوں بھی تو جہاں کی طرح

دعا نکلتی ہے دل سے مری زباں کی طرح
ترا شباب بڑھے عمرِ جاوداں کی طرح

ترا اٹھان ترقی کرے قیامت کی

آج سے ۳۸ سال پہلے کی ڈائری

(حضرت اکملؔ مدظلہ العالی کے قلم سے)

مجھے ایک نوٹ بک اپنی ملی ہے۔ جس پر کچھ حالات رول پنسل سے لکھے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بطور یادداشت میں نے کچھ نوٹ لئے ہیں۔ اور تفصیل اس وقت ذہن میں پورے طور پر ہوگی۔ غالباً صاف کرکے چھپوا بھی دیئے ہوں۔

۱۲؍اپریل ۱۹۰۶ء۔ ۴ منٹ ۱۲ پر ظہر کی اذان ہوئی۔ ۱۰ منٹ ۱ پر ۲ بجکر جماعت کھڑی ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ میں نے ایک قصیدہ سلام خوشخط لکھا ہوا پیش کیا۔ اور کچھ نذرانہ بھی۔ حضور ؑ نے میرا نام باآواز پڑھا اور اشعار پر نظر فرماتے رہے۔ اور فرمایا جزاکم اللہ جزاءً خیرا۔

۱۳؍اپریل ۱۹۰۶ء۔ ۴ منٹ ۳ بجکر پر آنکھ کھلی۔ نماز تہجد پڑھی۔ ۵ بجے اذان فجر ۲۰ منٹ ۵ پر نماز ہوئی۔ عصر کی اذان ۴ بجے ہوئی۔ اور ۵-۴ بجے حضرت مسیح موعود علیہ السلام رونق افروز ہوئے۔ مصافحہ و دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ پاؤں دبانے کا موقعہ مل گیا۔ میں نے سوال کیا۔ کہ واذکروا اللہ کثیراً کے تحت میں زبان سے ذکر اللہ اللہ آسکتا ہے یا نہیں۔ (یہ ذکر صوفیاء اور پیروں میں عام تھا۔ اور ہمارے ہاں اس کا بہت چرچا تھا۔ اور اسی کو فقر اور وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا) فرمایا۔ ذکر کے تو یہ معنے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کی عظمت اور خدا تعالےٰ کا جلال دل پر چھا جائے۔ عرض کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے جو طریق ذکر بتایا ہے۔ یہ خلاف سنت تو نہیں۔ فرمایا علاج الوقت کے طور پر ہوگا۔ ہم کچھ نہیں کہتے۔ یہ ذکر کا لفظ کچھ مبہم نہیں۔ کذکرکم اٰباءکم۔ جیسے بیٹا باپ سے جدا ہو کر یاد کرتا ہے۔ بس اسے کہتے ہیں یاد کرنا۔ یہ کیفیت طاری نہ ہو۔ تو محض زبان سے رٹ لا لینی ہے۔ ۲۰ منٹ ۴ تک نماز ختم ہوگئی۔

عصر سے پہلے ہم مولانا حکیم الامۃ نورالدین (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک آریہ نے دنیا میں لوگوں کے مختلف حالات کی وجہ تناسخ پر مبنی بتائی۔ ورنہ خدا پر اعتراض آتا ہے۔ میں نے ایک ہی سن اور ایک ہی شکل کے دو روپے اس کے سامنے رکھے۔ اور کہا۔ کہ ان میں سے ایک اٹھا لیجئے۔ بھہوت رہ گیا۔ وجہ یہ کہ جب وہ ایک اٹھا لیتا۔ تو ترجیح بلا مرجح کا سوال پیش آتا۔ اور اسے ماننا پڑتا۔ کہ میری مرضی۔ اسی طرح خدا مالک ہے۔ اسکی مرضی۔ اور نہ اٹھانے کی صورت میں جھوٹ اور فریب۔ (۲) آپ نے فرمایا معترض سے کہو۔ آخر کسی کو تم نے راستباز مانا۔ پس جس اصل سے مانا ہے۔ اسی سے ہم مرزا کی صداقت ثابت کردیں گے۔ اسی سلسلہ میں یہ لطیفہ سنایا۔ کہ میں نے ایک شخص سے کہا۔ تم اپنے باپ کے بیٹے ہو۔ اس کا گواہ کون ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنی ماں کی بات سچ مانی ہے۔

اذا الموؤدۃ سئلت کی نسبت فرمایا۔ کہ افکار ابکار ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔ یہ گناہ کی بات ہے۔ سوفسطائی جو کہتے ہیں کہ یہ دنیا ایک وہم و خیال ہے۔ غلط فہم ہیں۔ میں نے ایک سوفسطائی سے کہا۔ تم کچہری جانے کی بجائے انارکلی کیوں نہیں چلے گئے۔ اور ٹھیک دس بجے کیوں پہنچے۔

شرعہ اور منہاج کی نسبت فرمایا۔ شرعہ کہتے ہیں پانی کو۔ اس کا تعلق الہام الٰہی اور وحی آسمانی سے ہے۔ اور منہاج خشکی کو۔ اسکی بنا عرف عام پر ہوتی ہے۔

فاخلع نعلیک یہ عرف عام پر مبنی ہے۔ ہمارے ملک میں جوتوں سمیت جانا بے ادبی میں داخل ہے۔ مغربی ممالک میں نہیں۔ وہاں سر ننگا کرتے ہیں۔ اور جوتا پاؤں میں رکھتے ہیں۔

۱۶؍اپریل ۱۹۰۶ء۔ ۷ بجے ہم باغ کی طرف چلے گئے۔ آئے تو حضرت صاحب موجود تھے۔ زیارت ہوگئی۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا کی تفسیر میں فرمایا۔ قال الانسان مالھا اور یوم تضع کل ذات حمل حملھا سے ظاہر ہے۔ کہ یہ سب کچھ قیامت سے پہلے ہوگا۔ یہ وہ زلزلہ ہے۔ جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ بان ربک اوحیٰ لھا۔ ہمیشہ الیٰ صلہ ہوتا ہے۔ یہاں لھا جو فرمایا۔ تو یہ بیان مقصود ہے۔ کہ اوحیٰ الی الرسول۔ لھا۔ یعنی انسان کہے گا۔ کہ زمین کو کیا ہوگیا۔ یہ کیا بات ہے۔ تو خدا کا رسول جو اس وقت موجود ہوگا۔ بتلائے گا۔ کہ یہ اس لئے ہے۔ اشتاتاً کچھ بچ جائیں گے کچھ رہ جائیں گے۔

۵ منٹ ۱ بجکر پر مسجد مبارک میں اذان جمعہ ہوئی۔ ہم تو ۱۱ بجے ہی سے بیٹھے تھے۔ کیونکہ اس میں چند آدمیوں ہی کی جگہ تھی۔ (واضح ہو کہ اس وقت عام جمعہ مسجد اقصیٰ میں ہوتا تھا۔ اور حضور علیہ السلام مسجد مبارک میں پڑھتے تھے۔ اور ایک ہی اذان ہوتی۔ جس کے ساتھ خطبہ شروع ہو جاتا) خطبہ مولوی محمد احسن صاحب نے پڑھا۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس میں اشارہ ہے۔ کہ جب آفتاب اسلام زوال پذیر ہونے لگے گا۔ اور غسق اللیل کا خطرہ ہوگا۔ تو اس وقت ان نمازوں کا پرتو پڑے گا۔ اور اس وقت تیری بعثت اے نبی پاک مقام حمد میں ہوگی۔

(عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً) ادخلنی مدخل صدق سے بروز کی خبر نکلتی ہے۔ اور آخر رکوع بمن ھو اھدیٰ سبیلاً میں امام مہدی کا اشارہ۔

حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ نے رات کو دو نکتے سنائے تھے۔ کہ جو اعتراض حضرت موسیٰؑ نے خضر پر کئے۔ وہ خود ان کے گھر میں ہو چکے تھے۔ یا وہ خود کر چکے تھے۔ مثلاً کشتی کو عیب ناک کرنے پر اعتراض کیا۔ حالانکہ خود ان کو صندوق میں ڈال کر بہا دیا گیا تھا۔ غلام کے قتل پر تو اعتراض کیا۔ اور اپنا واقعہ بھول گئے۔ کہ جب مکا مارنے سے ایک شخص مر گیا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وقتلت نفساً فنجینٰک من الغم۔ اور بلا معاوضہ باوجود مہمانی نہ کئے جانے کے دیوار بنانے پر تو اعتراض کیا۔ حالانکہ انہوں نے خود بلا معاوضہ شعیب کی لڑکیوں کی لائی ہوئی بکریوں کو پانی پلا دیا تھا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ مگر مزدوری نہیں مانگی۔ اسی سلسلہ میں اردنا اور اراد ربک اور اردت کے لانے کی حکمت بیان فرمائی۔ ان اعیبھا میں چونکہ عیب کا ذکر ہے۔ اس لئے نسبت اپنی طرف ہے۔ اور یتیموں کے کنز کی حفاظت میں ربوبیت کی نسبت اللہ کی جانب کردی۔ اور اردنا میں بتایا۔ کہ ما فعلتہٗ عن امری۔ بلکہ یہ قضاء و قدر کے کارکنوں کا کام ہے۔

۱۷؍اپریل ۱۹۰۶ء۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شرف صحبت نصیب ہوا۔ فرمایا مرنے کے بعد جو فاتحہ خوانی کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ سنت طریق نہیں۔ دعا مغفرت اپنی اپنی جگہ ہوتی ہے۔

حضرت سلیمان کے بیان میں جو انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک آیا ہے اس کے معنے پوچھے۔ تو ایک تقریر فرمائی۔ کہ اصل میں خدا تعالےٰ کی قدرتوں پر کامل ایمان نہ ہو۔ تو اس قسم کے اعتراض دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ الم یعلم بان اللہ علےٰ کل شیءٍ قدیر۔ ریل اور تار برقی جس نے نہ دیکھی ہو۔ وہ کب مانتا ہے۔ کہ یوں ہزاروں کوس سے خبر پہنچ سکتی ہے۔ پس ایسی باتوں سے انکار اپنے ناقص تجربوں کی بنا پر ہے۔ جب خدا کی قدرتوں پر کامل ایمان نہ ہو۔ تو دعا کی توفیق بھی پورے طور پر نہیں ملتی۔ جب تک پورا پورا یقین نہ ہو۔ دعا کے لئے جوش نہیں پیدا ہو سکتا۔ ایسے آدمی کو خدا بھی اسباب میں ڈال دیتا ہے۔

نوٹ:۔ اگر کسی اخبار بدر و الحکم میں ان ایام کی ڈائری میری لکھی ہوئی طبع شدہ ہو۔ تو اس کے الفاظ مقدم سمجھے جائیں۔ کیونکہ اس وقت واقعہ تازہ تھا۔ اب تو میں نے مٹے ہوئے نوٹوں سے نقل کیا ہے۔ (اکملؔ)

کچھ اور حالات

۹؍اپریل ۱۹۰۶ء کو صبح اٹھ کر معلوم ہوا۔ کہ الٰہی بخش نام ایک غریب شخص یا رسول اللہ سے حضور ؑ کو خطاب کرنے والا فوت ہو گیا۔ احمدی برادران نے مل کر اسے غسل دیا۔ حضرت اقدس کو خبر کی گئی۔ ۴ بجے نماز جنازہ حضور ؑ نے پڑھائی۔ سینے پر ہاتھ باندھے دیکھے۔ ۴ تکبیریں ہوئیں۔ آخری تکبیر کے بعد معاً سلام۔ تکبیریں کہتے ہوئے حضور ؑ نے رفع یدین نہیں فرمایا۔ جوتیاں بھی اکثر احباب نے نہیں اتاریں۔ پھر سب بھائی باری باری جنازے کو کندھا دیتے مقبرہ میں لے گئے۔

مرنے کے بعد فاتحہ خوانی کی رسم کے متعلق مسئلہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ شریعت میں اسکی کوئی اصل و سند نہیں۔ البتہ دعا مغفرت اپنے طور پر کرتے ہیں۔ (اکملؔ)

استخلف آدم

الہام کے متعلق فرمایا۔ کہ فرشتوں نے کشفی رنگ میں دیکھا۔ آدم کی اولاد نے جو فساد ڈالنا تھا۔ اسکی نسبت دیکھا۔ ایسا ہی میری جماعت کا بگاڑ جو آخری زمانے میں ہوگا۔ میری طرف منسوب ہوتا ہے"۔

نوٹ:۔ میری نوٹ بک میں یہی الفاظ اسی طرح لکھے ہیں۔ (اکملؔ)

شکریہ احباب و دعائے مستجاب

احباب کو معلوم ہے۔ کہ ان کا خادم عزیز مکرم شیخ محمود احمدؐ عرفانی ایڈیٹر الحکم کئی سال سے متواتر بیمار چلا چلا جاتا ہے۔ اسے ذیابیطس کا عارضہ ہے۔ مختلف علاج کیے گئے۔ مگر ابھی تک اس کو شفائے کلی حاصل نہیں ہوئی باوجود مریض ہونے کے اپنی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر وہ الحکم زندہ رکھنے کی بھی سعی میں مصروف رہتا ہے۔

اس اثنا میں دو تین مرتبہ اس پر علالت کے ایسے حملے ہوئے۔ کہ وہ خود بھی اور ہم بھی اسباب کے پیش نظر اکی زندگی کے آخری ایام سمجھتے رہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ ہماری دعاؤں کو سنا۔ اور عزیز مکرم کو اس گرداب سے نکالا۔ گذشتہ سال کے آخر میں اس نے اپنے مرحوم محبوب بیٹے کی یادگار کے لئے "مرکز احمدیت" نام ایک کتاب تالیف کی۔ اخلاص اور دعاؤں سے لکھا تھا۔ وہ بے حد قبول ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اسکی تالیف۔ ترتیب اور طبع و اشاعت میں غیر معمولی محنت کا نتیجہ بیماری کے خوفناک حملہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کھانسی بخار کی شدت تھی۔ اور اللہ ہی جانتا ہے حلق یا سینہ سے خون بھی آیا۔ اور بہت زیادہ آیا۔ میرے قدیم مخلص بھائی ڈاکٹر محمدؐ دین صاحب معالج تھے۔ اور وہ ٹیکا کر رہے تھے۔ کہ خدا تعالےٰ کی مشیت کے ماتحت غلطی ہوئی۔ اور اس نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ دنیوی اسباب بظاہر منقطع تھے۔ مگر خالق الاسباب کا آستانہ موجود تھا۔ خطرہ یہ تھا۔ کہ غالباً ٹی۔ بی کا اثر ہے۔ میں نے نہایت خشوع و خضوع سے مولیٰ کریم کے حضور عرض کیا۔ کہ

مولیٰ! آپ تو انسان کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ اور نئے پھیپھڑے دل۔ دماغ اور تمام جوارح بناتے ہیں۔ اور کیف یصور فی الارحام کا ہر روز منظر دکھاتے ہیں۔ اگر تیرے عاجز بندے کے پھیپھڑوں میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے۔ تو اپنے کرم سے اس نقص کو دور کر دو۔ اور اسکے پھیپھڑوں کو نیا ہی بنا دو وما ذالک علیک بعزیز۔

میں اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ جو اس دعا کے وقت میری روح میں تھی۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ وہ پانی ہو کر آبشار کی طرح گرتی تھی۔ اختتام دعا تک میرے قلب میں گونہ تسلی تھی۔ میں نے یہ کیفیت دعا محمود کو تسلی کے لئے لکھ دی۔ میرا خط ابھی پہنچا نہ تھا۔ کہ اس کا خط مجھے ملا۔ کہ اباجی پھیپھڑے بلغم سے بھرے ہوئے تھے۔ اور رات کو ڈاکٹر صاحب پریشان ہو گئے تھے۔ مگر میں نے محسوس کیا۔ کہ میرے پھیپھڑوں کا اندر ہی اندر اپریشن ہو رہا تھا اور صبح کو ڈاکٹر صاحب آئے۔ تو خود ان کو بھی حیرت ہوئی۔ دنیا کی نظر میں یہ باتیں عجیب یا محض خیالی ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت قدسیہ میں ہم نے نہ ایک بار بلکہ ہزاروں بار

اس زندہ اور قادر خدا کو دیکھا ہے

میں خود تو دعا میں مصروف تھا۔ میں نے اخبار الفضل میں محمود کی صحت کے لئے چالیس روزہ دعا کی درخواست کی اور خدا کا شکر ہے۔ کہ میری پکار کو ان دوستوں نہیں نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں میرے بھائیوں نے سنا اور وہ رب کریم کے حضور ذات کی تنہائی میں گرے۔ اور اپنے ایک محتاج بھائی کی مدد کے لئے باب العزۃ کو کھٹکھٹایا۔ اور میں یقین اور بصیرت کے ساتھ جانتا تھا۔ کہ

یہ ہاتھ مولیٰ کریم کے حضور سے خالی نہ آئینگے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محمود پر اپریشن ہوا۔ ذیابیطس میں زخم کا اچھا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر قدیر خدا کے حضور تو ما ذالک علی اللہ بعزیز الحمد للہ زخم مندمل ہو گیا۔ اور محمود اس گرداب بلا سے نکل گیا۔ گو ابھی ضعف باقی ہے۔ مگر سپاہی نے مجروح ہو کر افاقہ ہوتے ہی اپنے اسلحہ کو لیکر میدان میں آنا ضروری سمجھا۔ اللّٰھم بارک فی عملہ وصحتہ وعمرہ آمین۔

یہ واقعہ اپنے اندر ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ چالیس روزہ دعا ایک قوت پیدا کرتی ہے۔ اور قبولیت کو قریب کرتی ہے۔ اور یہ بھی کہ دوسروں کے لئے دعا خشوع و خضوع سے دعا۔ تہجد کی دعا خود دعا کرنے والے کی دعاؤں میں قبولیت کی روح پیدا کرتی ہے۔ جن احباب نے اس موقع پر میری دعاؤں سے امداد کی ہے۔ میں اپنے قلب کی گہرائیوں میں محبت و سپاس گزاری کے جذبات پاتا ہوں۔ اور میں نے خود بھی ان کے لئے متواتر دعا کی ہے۔ اور میں اپنے مولیٰ کے فضل و کرم پر یقین رکھتا ہوں۔ کہ

وہ ان دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔

ان احباب کی اسم وار فہرست اور بعض کے خطوط کے خلاصے میں کسی اگلی اشاعت میں شائع کر دوں گا۔ تاکہ الحکم کی برادری ان بزرگوں کے لئے دعا کرتی رہے۔ ان احباب میں بڑی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی ہے۔ جنہوں نے اپنے عمل سے یہ دکھا دیا ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ہو کر اپنے بھائیوں کے لئے ان کے دلوں میں کس قدر محبت۔ ایثار اور ہمدردی کا جذبہ ہے۔ ان دعا کرنے والوں میں بعض ایسے بزرگ اور عزیز بھی ہیں۔ جنہوں نے باوجود اپنی علالت کے اس التزام کو گوارا کیا۔ اور یہ روح پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک شفقت علی خلق اللہ کی خوبیوں کا صحیح نشو و نما نہ ہو۔ میرے پاس تو ان کی فہرست موجود ہی ہے۔ اور شائع بھی ہو جائیگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ان نیم شبی دعائیں کرنے والوں کا نام دفتر میں موجود ہے۔ میں ان سب کا دلی شکر گزار ہوں۔ اور جزاہم اللہ احسن الجزا کہتا ہوں۔ ان دوستوں میں بعض ایسے بزرگ ہیں۔ جن کو میں کبھی خط بھی نہیں لکھتا۔ مگر میں دل میں ان کے لئے ایک خالص عزت و عظمت اور محبت رکھتا ہوں۔ (الحب للہ) انہوں نے خصوصیت کے ساتھ جس ہمدردی کا عملی اظہار فرمایا۔ وہ بے نظیر ہے۔ حضرت امیر المومنین کو میں نے دعا کا تار دیا۔ آپ اس وقت سندھ میں تھے۔ اس کا جو جواب آپ نے بھیجا۔ وہ انتہائی محبت اور ہمدردی کا تھا۔ محمود کو میں نے وہ خط بھیجدیا۔ وہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ اور مجھے اس نے لکھا۔ کہ اباجی حضرت کی یہی شان ہے۔

حضرت ام المومنین (متعنا اللہ بطول حیاتہا) اور خاندان نبوت کے افراد کی شفقت اور محبت و ہمدردی کی تو نظیر ہی نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ یہی چیز ہے۔ جو ایک دور دراز فاصلہ پر بھی ہمیشہ اسباب کے ماتحت تسلی اور اطمینان کا موجب ہوتی ہے۔ حضرت ام المومنین باقاعدہ روزانہ اسکی عیادت بالواسطہ فرماتی رہیں۔ اور آپ کی صبح و مسا کی دعائیں ہی زندگی آفرین رہی ہیں۔

دوسرے احباب میں سے میں حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی اور ان کے خاندان کا ذکر سر فہرست کرتا ہوں۔ وہ خود بیمار رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو کامل تندرستی اور عزت و اقبال کی لمبی عمر دے۔ مگر محمود کی علالت نے انہیں مضطر بنا دیا۔ وہ خود اور ان کی اہلیہ صاحبہ نے اسکی بیماری کو باپ اور ماں سے بھی بڑھ کر محسوس کیا۔ اسی طرح منشی محمدؐ اسماعیل صاحب سیالکوٹی (جن کے ساتھ مجھے سالہائے دراز سے خلوص اور محبت ہے) وہ کمزور ہیں۔ میری طرح بوڑھے ہیں۔ مگر وہ روزانہ عیادت کے بہانہ سے آتے۔ اور دیر تک محمود کو سامنے رکھ کر دعا کرتے رہتے۔ اسی طرح مکرمی شیخ محمدؐ اسماعیل صاحب سرساوی جو میرے ساتھ یک رنگ محبت محض للہ رکھتے ہیں۔ شریک درد رہے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمدؐ اسماعیل صاحب باوجود اپنی ناسازئی مزاج کے میرے تار پر بلا توقف آئے۔ اور نہایت محبت اور ہمدردی اور توجہ سے عزیز کا معاینہ فرمایا۔ یہاں حضرت سیٹھ صاحب اور ان کے خاندان کی ہمدردی کے عملی نمونہ کو دیکھ کر میں ہمیشہ شرمندہ ہوتا ہوں۔ دعا کے خطوط میں سب سے پہلا خط مولوی محمود الحسن آئی۔ سی۔ ایس کا تھا۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکے۔ حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب۔ چودھری غلام احمدؐ خاں صاحب کریام۔ چودھری مولوی محمدؐ عبد اللہ صاحب امیر جماعت کھیوا باجوہ۔ عزیز ممتاز علی خاں اور عزیز مبارک احمدؐ خاں ایمن آبادی اور مکرم ڈاکٹر محمدؐ عمر صاحب جے پوری کے خطوط سے میں بہت متاثر ہوا۔ میں جیسا کہ لکھ چکا ہوں۔ مکمل فہرست اور ان خطوط کے خلاصے انشاء اللہ العزیز شائع کروں گا۔ یہ مختصر بیان اظہار سپاس کے طور پر صرف اس لئے لکھا ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

بالآخر پھر دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ میرے ان شفیق ہمدردوں پر بیش از بیش فضل کرے۔ اور بالفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

بلائے شان رو اگرداں گرچہ آفت شود پیدا

(خاکسار عرفانی)